نگارشاتِ معینیہ

تالیف

پیر سیّد غلام معین الحق گیلانی

درگاہ عالیہ گولڑہ شریف

نام کتاب:	نگارشاتِ معینیہ
تالیف:	پیر سیّد غلام معین الحق گیلانی مدظلہ العالی
ناشر:	ایوانِ مہر علی شاہؒ
تاریخ اشاعت	ذُوالقعدۃ ۱۴۳۹ء جولائی 2018
ہدیہ:	
ملنے کا پتہ:	مکتبہ مہریہ مُعینیہ درگاہِ عالیہ گولڑہ شریف اسلام آباد
فون:	051-2111129

تعارف

- نام مصنف: پیر سیّد غلام معین الحق گیلانی
- تخلص: معینؔ
- مولد: گولڑہ شریف
- سنِ ولادت: ۱۹۵۷ء

مطبوعات

- (۱) سبحان اللہ ما اجملک
- (۲) ریاض المناقب
- (۳) یادوں کے دریچے
- (۴) فیوضاتِ مہریہ
- (۵) ذکر الصالحین
- (۶) تذکرۃ العارفین
- (۷) مقالاتِ معینیہ
- (۸) نگارشاتِ معینیہ
- (۹) وَ صلِّ علیٰ کیا شان ہے (فضائلِ درود شریف)

- پتہ: درگاہِ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف، اسلام آباد
- فون: 051-2292929

فہرست

مرا مدّعائے نگارش فقط
ثنا تیری یا تیرے محبوب کی
جلی وَحی ہو یا خفی ' ایک ہیں
نوا تیری اور تیرے محبوب کی

حرفِ اوّل

اللہ تعالیٰ کا مقصدِ تخلیقِ کائنات اپنی ذات کا عرفان تھا۔ تمام مخلوق میں سے جن و انس کو ممتاز کر کے ان کا مقصدِ تخلیق یوں بیان فرمایا۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں) اکثر مفسرین اور خصوصاً صوفیائے کرام نے لیعبدون کا مطلب لیعرفون کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی پہچان حاصل کر کے اس کی عظمت و کبریائی اور بمطابق خلق الانسان ضعیفا اپنے ضعف کو ہمیشہ مدّنظر رکھ کر ہمہ وقت اپنی بندگی کا اظہار کرتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور انسان کے ضعف و بندگی کے احساس کو ہر وقت تازہ رکھنے کے لئے اسلام نے ایک مکمل نظامِ عبادات عطا فرمایا ہے۔ جن پر عمل پیرا ہوئے بغیر انسان اپنے رب سے قرب و محبت کا تعلق قائم نہیں رکھ سکتا۔

کسی چیز کی قدر اسی وقت تک ہوتی ہے جب تک وہ اپنا مقصدِ تخلیق پورا کرتی ہے انسان کی بھی قدر و قیمت اسی وقت تک ہے جب تک وہ اپنی زندگی کے مقصد کو پورا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی میں ہمہ وقت کوشاں رہے ورنہ وہ آدمی ہو کر بھی حیوانِ محض ہے۔

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست
آدمیت جز رضائے دوست نیست

حضرت بابوجیؒ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے اور خطوط میں لکھا کرتے تھے۔

بندگی آمد لباسِ زندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

یعنی انسانی زندگی میں بندگی کو وہی حیثیت حاصل ہے جو انسانی بدن کے لئے لباس کی ہے۔ اس لئے بندگی کے بغیر انسانی زندگی محض شرمندگی ہے۔

گر نباشد زندگی در بندگی
مردنت بہتر ازیں بد زندگی

یعنی اگر زندگی اللہ کی بندگی میں نہ صرف ہو تو مقصدِ تخلیق پورا نہ ہونے کی وجہ سے اس بری زندگی کا ختم ہو جانا ہی بہتر ہے۔

بندوں کا اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے اور اسے مضبوط و مستحکم بنانے کیلئے انبیائے کرام کے بعد جو خدمات اولیائے کرام اور علمائے عظام نے انجام دیں اسی تسلسل کو برقرار رکھنے اور آگے بڑھانے کے لئے ماہنامہ ''مہرِ منیر'' کا اجراء کیا گیا جس میں میرے مضامین بھی ''حرفِ ناطق'' کے عنوان سے شائع ہوتے رہے۔ ان مضامین کو یکجا کر کے کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے جملہ مقبولان کے صدقے ان کو جمیع اہلِ اسلام کے لئے نافع اور میرے لئے ذریعۂ آخرت بنائے۔

امین ثم امین بجاہ سیّد المرسلین و خاتم النبیین ﷺ

ایوانِ مہر علی شاہؒ۔ ایک تعارف

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر

تم بہترین امت ہو جو ظاہر کی گئی ہے لوگوں کی ہدایت اور بھلائی کے لئے۔ تم حکم دیتے ہو نیکی کا' اور روکتے ہو برائی سے (آل عمران: ۱۱۰)

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ پاک ﷺ کی امت کے سر پر ''**خیر امة**'' کا تاج سجایا ہے جس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو۔ **امر بالمعروف ونهی عن المنكر** کی ذمہ داری امتِ مسلمہ کے سپرد کی گئی ہے تا کہ وہ عہد کے بدلتے ہوئے مختلف النوع حالات میں شریعتِ اسلامیہ کی توضیح و تشریح اور تطبیق و تنفیذ کے لئے سرگرمِ عمل رہیں۔ **الحمد للہ** گزشتہ ادوار میں ایسے ہی علماء و صلحاء نے اپنی زندگیاں وقف کر کے یہ فریضہ حسبِ توفیق احسن طریقے سے سرانجام دیا' جس کی روشن ترین مثال میرے جدِ امجد امام العصر مجددِ ملت حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہؒ کی ذاتِ گرامی ہے۔ آپؒ نے اپنی مبارک زندگی کا لمحہ لمحہ اس کارِ خیر میں صرف فرمایا اور آئندہ نسلوں کے لئے ایک بہترین لائحہ عمل اور واضح راستہ متعین کیا۔ آپؒ کا مسلک و مشرب آیتِ قرآنی ''**صراط الذین انعمت علیهم**'' کا صحیح مصداق بن گیا۔ اس جہانِ جنگ و جدل میں شر کی قوتیں بھی دیوانہ وار اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے دن رات سرگرمِ عمل رہتی ہیں۔ ان کی شر انگیز کارروائیوں کا ایک پہلو یہ بھی ہوتا ہے کہ اہلِ خیر کے نقش کردہ واضح خطوط کو گرد آلود کر دیں تا کہ ان کا متلاشی شکوک و شبہات میں مبتلا ہو کر راہِ حق سے بھٹک جائے۔ اس صورت میں اہلِ خیر کے نام لیواؤں کا فرض بنتا ہے کہ اپنی پاکیزہ کوششوں سے شکوک و شبہات سے آلودہ فضا کو صاف ستھرا کر دیں' اپنی علمی و فکری کاوشوں

سے ان نقوش کو دھندلانے سے بچالیں جو راہِ حق کے شاہسواروں نے اپنی دن رات کی مشقتوں، ریاضتوں اور عبادتوں سے آئندہ نسلوں کے لئے روشن کئے ہیں۔

ربِ ذوالجلال کا فرمان ہے کہ حق ہمیشہ باطل پر فتح یاب ہوگا، اہلِ خیر کی ریاضت بالآخر کامیاب و کامران ہوگی، امتِ مسلمہ اپنے موعودہ مقام کو حاصل کر سکے گی، تاہم ہمیں اس کے لئے فکرِ قرآن اور سنتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں جہاد کرنا ہوگا۔ بقولِ علامہ اقبالؒ:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن   نیست ممکن جز بقرآں زیستن

اگر تو اپنی زندگی مسلمان ہو کر گزارنا چاہتا ہے تو قرآنی تعلیمات کی اطاعت کے بغیر ایسا ممکن نہیں ہو سکتا۔ عصرِ حاضر کی روز افزوں فتنہ سامانیوں کو دیکھتے ہوئے یہ محسوس کیا گیا کہ اسلافِ گرامی کی تحریکِ احیائے دین کو منظم ہو کر آگے بڑھایا جائے تاکہ عوام الناس کو گمراہی سے بچا کر صراطِ مستقیم پر لایا جا سکے۔ پس اس اہم دینی و ملی فریضہ کی بجاآوری کے لئے بفضلہ تعالیٰ ''ایوانِ مہر علی شاہؒ'' (ٹرسٹ) قائم کیا گیا ہے جو فروغِ شعورِ اسلامی، احیائے دینِ محمدی ﷺ اور اتحادِ امتِ مسلمہ کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہوگا۔ ایوان فکرِ قرآن، اسوۂ رسول اللہ ﷺ اور تعلیماتِ سلف صالحینؒ کی روشنی میں جذبۂ ایمان سے سرشار لوگوں کے تعاون سے ہمہ جہت جدوجہد کے ذریعے امتِ مسلمہ کی رہبری و رہنمائی کا فریضہ سر انجام دے گا۔'' **ان شاء اللہ۔**

ایوانِ مہر علی شاہؒ (ٹرسٹ) کے ذیلی ادارے حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ **مہر علی شاہؒ عالمی مرکزِ تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت،**

۲۔ **مہر علی شاہؒ پبلیکیشنز (مطبوعات)،**

۳۔ **مہر علی شاہؒ عالمی مساجد کونسل،**

۴۔ **مہر علی شاہؒ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ،**

۵۔ **مہر علی شاہؒ انٹرنیشنل ویلفیئر پروگرام،**

۶۔ **مہر علی شاہؒ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی،**

مہر علی شاہؒ عالمی مرکزِ تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت:

حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہؒ کی شخصیت کو تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت میں سنگِ میل اور مینارۂ نور کی حیثیت حاصل ہے۔ اس عظیم ہستی کی گراں قدر خدمات کو عہدِ حاضر کے جدید تقاضوں کے مطابق عالمی سطح پر فروغ دینے کے لئے مہر علی شاہؒ عالمی مرکزِ تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت قائم کیا گیا ہے تاکہ اس تحریک اور مشن کی ترویج و اشاعت دنیا کے ہر گوشے میں ہو سکے۔ یاد رہے کہ رواں صدی کے آغاز میں ردِّ قادیانیت کے جہاد کے سلسلے میں بمقام لاہور تمام مکاتبِ فکر کے علماء و مشائخ نے متفقہ طور پر حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہؒ کو اپنا قائد تسلیم کیا تھا۔ ردِّ قادیانیت کے اس واقعہ کو ۲۰۰۰ء میں کامل صدی کا عرصہ بیت چکا ہے۔ اس تاریخی موقع پر فاتحِ مرزائیت حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہؒ کی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کی غرض سے ''جشنِ صد سالہ مہر علی شاہؒ تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت'' کے عنوان سے عالمی سطح پر تقریبات کا انعقاد کیا گیا۔ جو تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت کی تقویت اور اشاعت میں مدد و معاون ثابت ہوئیں اور ہزارہا مخلوقِ خدا حبِ رسول ﷺ اور نورِ ہدایت سے فیض یاب ہوئی اور ہوتی رہے گی۔

۲۔ مہر علی شاہؒ پبلیکیشنز: (مطبوعات)

اس سلسلے کی پہلی کڑی ماہنامہ ''مہر منیر'' کا اجرا ہے۔ اس ماہنامہ کا نام ''مہرِ منیر'' اس لئے منتخب کیا گیا ہے کہ اسی نام سے حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہؒ کی سوانح حیات شائع ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں یہ میرے دادا جان حضرت قبلہ بابوجیؒ کا تجویز کردہ اور پسندیدہ نام

ہے۔اس ماہنامہ کامقصدِ وحید حضرت سیدنا پیرمہرعلی شاہؒ کی تحریکِ احیائے دین کے تسلسل کو جاری رکھنا' آپؒ کے مشن کو آگے بڑھانا اور آپؒ کی تعلیمات کو نئی نسل کے سامنے من وعن پیش کرنا ہے۔اس کی تمام تر پالیسی حضرتؒ کے مسلک ومشرب کے عین مطابق ہوگی'اس کے اہم عنوانات ۔۔۔حمدِ حق تعالیٰ' درسِ قرآن' نعتِ رسول ﷺ' درسِ حدیث' درسِ سیرت النبی ﷺ' ختمِ نبوت' درسِ مثنوی ء رومیؒ اور تحریکِ احیائے دین ہیں۔علاوہ ازیں ''یادش بخیر'' کے عنوان سے مختلف صوفیائے کرام کے حالاتِ زندگی اور ان کی اسلامی خدمات وتعلیمات کی تفصیلات بھی اس جریدے میں شامل ہوتی ہیں۔احوال وکیفیات اور وجدانیات سے متعلق مختلف موضوعات کی اشاعت کو بھی اہمیت دی جاتی ہے۔ہمارے اسلامی بھائی جو اردو زبان سے واقف نہیں'انہیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کرنے کے لئے چند صفحات پر مشتمل ایک حصہ انگریزی زبان میں بھی شاملِ اشاعت کیا گیا ہے۔یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ حضرت سیدنا پیرمہرعلی شاہؒ نے عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ اور ردِ قادیانیت کے لئے بنیادی اور قائدانہ کردار سرانجام دیا۔لہٰذا یہ ماہنامہ اس ارفع واعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے موثر کردار ادا کررہا ہے اور کرتا رہے گا۔درگاہِ غوثیہ مہریہ شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ اور حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کے مسلک ومشرب کی اشاعت کا بھی مرکز ہے۔پس ماہنامہ ''مہرِ منیر'' میں درسِ مثنویٔ رومیؒ کا باقاعدہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔چونکہ ہمارا اولین اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ موجودہ دور میں حضرت سیدنا پیرمہرعلی شاہؒ کا مسلک ومشرب صحیح تعبیرات وتشریحات کے ساتھ آئندہ نسلوں تک پہنچایا جائے'اس لئے تحریکِ احیائے دین کے عنوان سے ایک سلسلۂ مضامین شروع کیا گیا ہے جس میں کوشش کی جائے گی کہ حضرت سیدنا پیرمہرعلی شاہؒ کی تصانیف کے مختلف موضوعات کو تشریح وتوضیح

کے ساتھ سادہ اور آسان زبان میں پیش کیا جائے۔یہ چشمۂ فیض وبرکت حضرت سیدنا پیر مہرعلی شاہؒ کے دور سے لے کر اب تک درگاہِ غوثیۂ مہریہ گولڑہ شریف میں بحمد اللہ جاری و ساری ہے اور ہر خاص وعام اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس قیمتی دولت سے فیضیاب ہو رہا ہے۔اس رسالے کے علاوہ یہ شعبہ اب تک متعدد گراں قدر تحقیقی' دینی کتب شائع کرچکا ہے جن کی اشاعت نے ایک عالم سے خراجِ تحسین وصول کیا ہے۔ جملہ مطبوعات کی فہرست وقتاً فوقتاً ''مہرِ منیر'' کے علاوہ مختلف کتابوں میں بھی شائع ہوتی رہتی ہے۔

مہرعلی شاہؒ عالمی مساجد کونسل:

عالمِ اسلام میں مساجد کو ایک اہم اور مرکزی مقام حاصل ہے اور جیسا کہ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد نے اسلام کی تبلیغ اور مسلمانوں کے جملہ مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے اہم کردار ادا کیا۔مساجد سے ہی امتِ مسلمہ کو محبت واخوت کا درس ملا اور مساجد ہی سے معاشی اور معاشرتی مسائل پر قابو پانے اور ایک معتدل زندگی بسر کرنے کی تربیت کا پیغام دیا گیا۔لہٰذا مساجد کی تنظیم اور ان سے دیا جانے والا پیغام امتِ مسلمہ کی فلاح وبہبود اور تعمیر وترقی کے لئے جس اہمیت کا حامل ہے'اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ان حقائق کے پیشِ نظر ''مہرعلی شاہؒ عالمی مساجد کونسل'' کا قیام عمل میں لایا گیا ہے تاکہ دنیا بھر میں حضرت سیّدنا پیرمہرعلی شاہؒ کے مسلک ومشرب سے تعلق رکھنے والی مساجد کے منتظمین اور ائمۂ کرام کو اس طرح منظم کیا جائے کہ ان کی انفرادیت بھی برقرار رہے اور عالمی سطح پر ایک مرکزیت بھی قائم ہو سکے۔اس لئے ضروری ہے کہ اہلِ سنت کی مساجد' ائمۂ کرام' خطباء اور منتظمین برضا ورغبت اس عالمی مساجد کونسل کے ساتھ منسلک ہوں تاکہ اجتماعی قوت سے امن وآشتی اور اتحاد و یگانگت کی فضا پیدا کی جاسکے۔ان اسلامی

مراکز سے اٹھنے والی آواز امتِ مسلمہ کے افکار و اعمال میں یکجہتی پیدا کرنے کا سبب بنے گی۔ ان شاء اللہ۔ اس سلسلے میں ہمارا مسلک و پیغام یہی ہے کہ:۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاکِ کاشغر

مہر علی شاہؒ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ:

علم و تحقیق کی دنیا میں آئے دن نئے مسائل جنم لے رہے ہیں جنہیں قدیم بنیادوں پر جدید آہنگ میں حل کرنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس ضرورت کے پیشِ نظر مہر علی شاہؒ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام ضروری سمجھا گیا ہے۔

مہر علی شاہؒ انٹرنیشنل ویلفیئر پروگرام:

ہماری یہ ساری جدو جہد تصوف کے اس بنیادی نکتہ پر مبنی ہے:

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

طریقت لوگوں کی خدمت کے بغیر محض جائے نماز، تسبیح اور گدڑی سے ممکن نہیں ہو سکتی۔ دکھی اور سسکتی انسانیت کو زندگی کی آسانیاں فراہم کرنے انہیں راہِ مستقیم کی جانب گامزن کرنے اور اسلامی فکر کو عملی صورت دینے کے لئے مہر علی شاہؒ انٹرنیشنل ویلفیئر پروگرام تشکیل دیا گیا ہے۔

مہر علی شاہؒ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی:

تعلیم و تربیت دینِ اسلام کی اساس ہے۔ فروغِ علم کے لئے جدید تقاضوں کے مطابق مہر علی شاہؒ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کے قیام کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس یونیورسٹی میں قرآن و حدیث کی روشنی میں وضع کردہ نصابِ تعلیم پڑھایا جائے گا اور عصرِ حاضر کے جدید

تقاضوں کے مطابق طلباء کو دینی و دنیاوی تعلیمات سے آراستہ کیا جائے گا۔ اس یونیورسٹی کا نصابِ تعلیم عالمی اسلامی یونیورسٹیوں کے معیار کے مطابق ہو گا۔ عشقِ رسول ﷺ اس یونیورسٹی کا طرۂ امتیاز ہو گا۔ کیونکہ دین کی اصل آنحضور ﷺ کی ذاتِ پاک سے ان مٹ وابستگی اور پیروی سے عبارت ہے بقولِ اقبالؒ:

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست

اپنے آپ کو سرکارِ دو عالم ﷺ تک پہنچاؤ کیونکہ اگر آپؐ تک نہ پہنچے تو باقی سب ابولہبی (کافری) ہے۔ ربِ ذوالجلال کے اس ارشاد کی روشنی میں۔ **وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین** آپ اپنے ساتھیوں سے اہم امور میں مشورہ کریں اور مشورے کے نتیجے میں جس فیصلے پر پہنچیں تو اللہ پر توکل کریں بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ **(آل عمران:۱۵۹)**

ہم نے اِس عظیم الشان اسلامی خدمت کا بیڑا محض اللہ پر توکل کرتے ہوئے اُٹھایا ہے اور دن رات انہی مساعی میں مصروف ہیں کہ ”اعلائے کلمۃ اللہ“ کا جو فریضہ ہمارے جدِ امجد حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہؒ نے انجام دینا شروع کیا تھا، حتی المقدور اُس کو آگے بڑھائیں اور دینِ اسلام کے اُن خدام میں شامل ہو جائیں جو ”**کنتم خیر امۃ**“ کے مفاہیم کو بار آور کرنے کی جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیبِ پاک ﷺ کے طفیل ایوانِ مہر علی شاہ (ٹرسٹ) کے اغراض ومقاصد کی تکمیل میں مدد فرمائے۔ **ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد**

ذکرِ الٰہی

واذ کر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا (اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو)

مولانا رومؒ فرماتے ہیں: جب بندہ ایک بار اللہ کا نام لیتا ہے تو دوسری بار اس وقت تک اس کے لبوں پر اللہ کا نام نہیں آتا جب تک پہلا ذکر قبول نہ ہو جائے۔ بندے کا پے درپے اللہ کو یاد کرتے رہنا توفیقِ الٰہی سے ہے اور قبولیت کی دلیل ہے۔ بندے کی زبان پر اپنے مولا کے ذکر آنے کا سبب یہی ہے کہ اُسے بندے کا ذکر پسند آ گیا ہے۔ اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں: **فاذ کرونی اذ کرکم.** (تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا چرچا کروں گا)۔ جب بندہ ایک بار اللہ کا نام لیتا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ جواباً اللہ اسے یاد نہ کرے۔ جب وہ مالکِ حقیقی اپنے بندوں کو احسان کی روش پر چلنے کا حکم دیتا ہے تو وہ خود کس درجہ احسان کا پاس رکھتا ہوگا۔ یہ اس کی اپنی شان کے مطابق ہوتا ہے۔ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا ذکر اس کی بارگاہِ صمدیت میں قبول ہوا بھی ہے یا کہ نہیں؟ ایسا سوچنا اس رؤف ورحیم کے لئے سُوئے ظن کے سوا کچھ نہیں۔ ایسا خیال کرنے والے نے گویا اللہ کے وعدے کو سچ نہیں جانا۔ اسی نوعیت کا ایک واقعہ حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ گیلانی قدس سرہ العزیز کے ملفوظات میں ملتا ہے کہ ایک شخص نے آپؒ سے عرض کیا ''میں اوراد و وظائف پڑھتا ہوں لیکن فائدہ کچھ نہیں ہوتا۔'' حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے فرمایا ''حق سبحانہ وتعالیٰ نے مہربانی فرما کر تمہیں وظائف کی توفیق بخشی۔ تم نے کلمہ لاحول ولا قوۃ نہیں سنا؟ وہ سبحانہٗ وتعالیٰ مومنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اگر بندہ اخلاص سے ایک بار درُود پڑھے تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس پر دس بار رحمت نازل فرماتا ہے، اس سے زیادہ اور کیا فائدہ چاہتے ہو۔ شاید تم انتظار کرتے ہو کہ

خدا تمہارے ساتھ کلام کرے۔ جاؤ اور اپنے کام میں مشغول رہو۔''

مصلحت آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند، سرِ طرّۂ یارے گیرند

''مصلحت اسی میں ہے کہ یار سب کام چھوڑ کر محبوب کا سرِ زُلف تھام لیں''

انسان کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات اور وساوس آتے ہیں۔ کبھی یہ خیال گزرتا ہے کہ زبان دن بھر غیبت، جھوٹ اور لغوگوئی سے آلودہ رہتی ہے، ایسی ناپاک زبان سے ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟ اگرچہ زبان ایسے قبیح افعال سے ناپاک ہو جاتی ہے لیکن ناپاک کو پاک کرنے کا بھی تو آخر کوئی ذریعہ ہے۔ کوئی کپڑا ناپاک ہو جائے تو اسے پانی سے صاف کر لیا جاتا ہے۔ اللہ کا ذکر پاکیزگی حاصل کرنے کا ایک ایسا وسیلہ ہے جس سے جسم وروح کی آلائش دُھل جاتی ہے۔ ایک شخص جس کثرت سے اپنے محبوب کو یاد کرے گا اُسی قدر اس کو اپنے محبوب سے حیا آئے گی اور نافرمانی سے رُک جائے گا۔

ذکرِ حق پاکیست چوں پاکی رسید
رخت بر بندد بروں آید پلید

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ **ولمن خاف مقام ربہ جنتن** ''اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو جنتیں ہیں''۔ جو ہاتھ اللہ سے حیا کے باعث برائی سے رک جائے، جس کا قدم خشیت اللہ کے باعث برائی کی طرف بڑھنے سے تھم جائے، جو دل اللہ کے خوف سے نیکی کی طرف مڑ جائے، جو آنکھ محبوب سے شرم کے باعث اشکبار ہو جائے اللہ اسے دو جنتیں عطا کرتا ہے۔ **خلیفۃ المسلمین** حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک نوجوان شخص کو ایک عورت نے برائی کی دعوت

دی۔اس نے خوفِ خدا سے ایسی چیخ ماری کہ اس کے جسمِ عنصری سے روح پرواز کر گئی۔سیّدنا عمر فاروقؓ اس کی قبر پر گئے اور پوچھا'' کہ برائی سے بچنے کے لئے میرے اللہ کی طرف سے دوجنتوں کا وعدہ ہے' کیا تمہیں دو جنتیں مل گئیں؟ اس کی قبر سے آواز آئی'' یا امیر المومنین! میں نے اللہ کے وعدہ کو حق پایا''۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجنوں دریا کے کنارے ریت پر انگلیوں سے لیلیٰ کا نام لکھ لکھ کر مٹا دیتا تھا۔کسی شخص کا پاس سے گزر ہوا تو اس نے استفسار کیا کہ کیا کر رہے ہو؟ جواب ملا۔

گفت مشقِ نامِ لیلےٰ می کنم
خاطرِ خود را تسلی می دہم

(اُس نے کہا میں لیلیٰ کا نام لکھتا ہوں اور یوں اپنے دل کو تسلی دیتا ہوں)۔میرا مقصد تو فقط دل کو تسلی اور سکون دینا ہے۔دنیا کی آلائشوں اور لذتوں میں ڈوب کر جب انسان بے سکونی کی کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ شخص سکون کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔رب کریم کا ارشاد ہے'' **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب**''(سن لو! اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے)۔اور پھر یاد اس کثرت سے ہو کہ اس کا دل سب سے کٹ کر صرف اسی کا ہو جائے'' **واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا**''(اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو جاؤ)۔"**رجال لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ**"(وہ مرد جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی)' کوئی مصروفیت ذکرِ حق کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی۔

ایک حدیثِ قدسی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔"**عن ابی ھریرۃ**

قال قال رسول اللہ ﷺ یقول اللہ انا عند ظن عبدی بی و انا معہ اذا ذکر نی فان ذکر نی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکر نی فی ملاءٍ ذکرتہ فی ملاءٍ خیر منھم و ان تقرب الی شبراً تقربت الیہ ذراعاوان تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا وان اتانی یمشی اتیتہ ھر ولۃ'' ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں بندے سے اس کے گمان کے مطابق سلوک کرتا ہوں' جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں' اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرے تو میں بھی اس کا ذکر دل میں کرتا ہوں' اگر وہ مجلس میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں' اگر بندہ ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر کوئی ایک ہاتھ میرے قریب آئے تو میں دو ہاتھ اس کے قریب آتا ہوں۔ جو میری طرف چل کر آئے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

امام مسلم بن حجاج قشیریؒ صحیح مسلم میں روایت کرتے ہیں " **حدثنا ابوھریرۃ عن رسول اللہ ﷺ فذکر احادیث منھا وقال رسول اللہ ﷺ ان اللہ قال اذا تلقانی عبدی بشبر تلقیتہ بذراع و اذا تلقانی بذراع تلقیتہ بباع و اذا تلقانی بباع اتیتہ باسرع**". حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب بندہ بقدر ایک بالشت میری طرف بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف بقدر ایک ہاتھ بڑھتا ہوں' اور جب وہ میری طرف بقدر ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں بقدر دو ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں اور جب وہ بقدر دو ہاتھ میری طرف بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف زیادہ تیزی سے بڑھتا ہوں''۔ایک اور حدیث میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: **وان اتانی**

يمشى آتيته هرولة ومن لقينى بقراب الارض خطيئة لايشرک بى شيئا لقيته بمثلها مغفرة. (رواه مسلم) ''اگر وہ میرے پاس چل کر آئے تو میں دوڑتا ہوا اس کے پاس آتا ہوں' جو کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرائے پھر زمین بھر گناہوں کے ساتھ بھی مجھ سے ملے تو میں اتنی ہی بخشش کے ساتھ اس سے ملوں گا'' ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **''ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً''** بے شک اللہ سب گناہ بخش دے گا۔ ایک اور مقام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: **عن ابى هريرة عن النبى ﷺ قال سبعة يظلهم الله فى ظله يوم لا ظل الاظله الا مام العادل وشاب نشاء فى عبادة ربه ورجل قلبه معلق فى المسجد ور جلان تحابا فى الله اجتمعا عليه وتفرقا عليه ورجل امرة ذات منصب وجمال فقال انى اخاف الله ورجل تصدق اخفاء حتى لا تعلم شماله ماتنفق يمينه ورجل ذكر الله خاليا ففاضت عيناه'' (صحیح بخاری)**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سات آدمی اس دن اللہ کے سائے میں ہوں گے جس دن اللہ کے سائے کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہوگا۔ امامِ عادل' وہ شخص جو اپنے رب کی عبادت میں جوان ہوا' وہ شخص جس کا دل مسجد میں معلق رہتا ہے' وہ دو آدمی جو اللہ کی محبت میں ایک دوسرے سے ملیں اور جدا ہوں' جس شخص کو کوئی با اختیار اور حسین عورت گناہ کی دعوت دے اور وہ یہ کہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں' وہ شخص جو خفیہ طور پر دائیں ہاتھ سے صدقہ دے حتّٰی کہ بائیں ہاتھ کو بھی علم نہ ہو کہ اس نے کیا خرچ کیا ہے' وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کا ذکر کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں''۔

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں آتا ہے **''عن ابى هريرة ان رسول الله ﷺ قال من قال سبحان الله وبحمده فى يوم ماة مرة حطت خطاياه وان**

كانت مثل زبد البحر'' (نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ایک دن میں سو بار **''سبحان الله و بحمده''** کہا اس کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے خواہ وہ گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں' جب انسان کثرت سے ذکر کرتا چلا جاتا ہے تو یہ ذکر اس کے قلب و روح میں سما جاتا ہے اور اس کے رگ و ریشہ میں خون کی طرح رواں رہتا ہے اور کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ پھر ہر راہ کوچۂ یار کی طرف جاتی ہے۔ اگر تم اللہ سے ٹوٹے ہوئے تعلق کو جوڑنا چاہتے ہو تو اللہ کے بندوں کی محفل میں کثرت سے جاؤ۔ اللہ کے بندوں کی پہچان بھی ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتا دی۔ **عن ابن عباس قال قال رجل يا رسول الله من اولياء الله قال اذا رأوا ذكر الله.** حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اللہ کے دوست کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا وہ لوگ کہ جب وہ دیکھے جائیں تو خدا یاد آ جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ پاک ﷺ کے صدقے ہمیں اپنے ذکر میں ہمہ وقت مصروف رکھے۔

آمین ثم آمین بجاہِ سیّد المرسلین ﷺ وما توفیقی الا باللہ۔

استغفار اور جذبِ رحمتِ الٰہی

انسان فطری طور پر مختلف خصائل و خصائص کا مجموعہ ہے۔خطاؤں کا صدور بشری کمزوریوں میں سے ہے۔اسلام دینِ فطرت ہے اور اس میں انسانی فطرت کے ہر پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے اس لئے خطاؤں کی معافی اور گناہوں کی مغفرت کے لئے استغفار کرنا سکھایا گیا ہے۔اس کے بارے میں قرآن وسنّت میں واضح ہدایات موجود ہیں اور بندے کے لئے عجز وعبودّیت کے ذریعے طلبِ مغفرت کی تلقین اور رحمتِ الٰہی کی وسعت بیان کی گئی ہے۔گناہوں پر استغفار دراصل عاصیوں کو ذاتِ باری تعالیٰ سے وابستہ رکھنے کا طریقہ ہے۔اسی لئے تو ایک شاعر نے کہا ہے:۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگاہِ ما در درگاہِ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا' پھر کہنے لگا:''اے اللہ! میں گناہ کر بیٹھا' پس تو معاف فرما!'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرے بندے کو اتنا تو معلوم ہے کہ میرا ایک رب ہے جو معاف بھی کرتا ہے اور گرفت بھی کرتا ہے پس میں نے اسے معاف کر دیا''۔۔۔کچھ عرصہ بعد اس شخص نے پھر ایسے ہی کیا اور معاف کر دیا گیا اور پھر کیا تو بھی معافی مل گئی۔امام مسلمؒ کی روایت کے مطابق تیسری مرتبہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **قد غفرت لعبدی فلیعمل ماشاء** ''میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا' اب جو چاہے عمل کرے''۔امام مسلمؒ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے' اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو لے جاتا اور تمہارے بدلے میں ایک ایسی قوم لاتا۔۔۔جس کے گناہ ہوتے اور اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرماتا''۔محدّثین ان احادیث کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ لوگ جان بوجھ کر گناہ کریں اور پھر مغفرت چاہیں بلکہ لوگ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہیں۔گنہگار اپنی خطاؤں اور معاصی کی مغفرت طلب کریں اور عبادت گزار اور نیکوکار بھی باری تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے رہیں۔انسان چاہے کتنی ہی عبادات کیوں نہ کر لے' وہ اس ذات باری کی دی ہوئی لامتناہی نعمتوں میں سے کسی ایک نعمت کا بھی کما حقہٗ شکر ادا نہیں کر سکتا۔پس اپنی عبادت کی کمی پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہنا چاہیے' اس کے علاوہ اپنی غلطیوں اور لغزشوں کی معافی کے لئے بھی ہر وقت استغفار ضروری ہے۔

حضرت ربیعؒ کہتے ہیں:''میں حضرت حسنؓ کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا' یا حضرت! سخت قحط سالی ہے اور بارش نہیں ہو رہی' کیا کریں؟ آپؓ نے فرمایا:''استغفار کرو''۔۔۔تھوڑی ہی دیر بعد ایک شخص نے تنگیٔ رزق کی شکایت کی۔اس کو بھی یہی حکم دیا۔۔۔تیسرے نے آ کر اولاد کے لئے عرض کیا۔اسے بھی آپ نے یہی جواب دیا چوتھے نے آ کر عرض کی' میری زمین سے پیداوار کم ہو رہی ہے' کیا کیا جائے؟ آپؓ نے اس کو بھی استغفار کی تلقین کی: حضرت ربیعؒ بن صبیح فرماتے ہیں' بالآخر مجھ سے رہا نہ گیا اور آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ چار مختلف آدمی آپ کے پاس چار مختلف تکلیفیں اور شکایتیں لئے حاضر ہوئے مگر آپ نے ان سب کو ایک ہی جواب دیا اور ایک ہی علاج بتایا کہ استغفار کرو یہ کس طرح اور کیونکر؟۔تو آپؓ نے ''**سورۃ نوح**'' کی ان آیات کی

تلاوت فرمائی **فقلت استغفروا ربکم انه کان غفارا. یرسل السماء علیکم مدرارا. ویمددکم باموال و بنین و یجعل لکم جنّٰت و یجعل لکم انھٰرا.** (پس میں نے کہا (ابھی وقت ہے) اپنے رب سے معافی مانگ لو' بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے' وہ آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا' اور تمہاری اموال اور فرزندوں سے مدد فرمائے گا اور تمہارے لئے باغات بنا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بنا دے گا)۔

استغفار مشکلات اور غم کا مداوا

بلاشبہ مغفرت اللہ تعالیٰ عزوجل کی ایک عظیم الشان نعمت اور بے مثال انعام ہے۔
حضور نبیء کریم ﷺ نے استغفار کو ہر مرض کی دوا اور ہر دکھ کا علاج بتایا ہے۔ جلیل القدر ائمہ محدثین میں حضرت امام احمدؒ امام ابوداؤدؒ اور حضرت امام ابن ماجہؒ حضرتِ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبیء کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **من لزم الاستغفار جعل اللہ له' من کل ضیق مخرجا و من کل هم فرجا ورزقه' من حیث لا یحتسب**۔ (جس شخص نے اپنے اوپر استغفار کرنا لازم قرار دے لیا اللہ اُس کو ہر مشکل سے نکالے گا اور ہر غم سے نجات دے گا اور اُسے وہاں سے رزق عطا فرمائے گا جہاں سے وہ گمان بھی نہ کر سکتا ہو۔ جس شخص نے بھی استغفار کو لازم پکڑا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کی راہ پیدا فرمائیں گے' اسے ہر غم سے نجات دیں گے اور اس کو وہاں سے رزق فراہم کیا جائے گا جہاں سے اس کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔

آنحضور ﷺ خود بھی استغفار تواتر کے ساتھ فرمایا کرتے تھے باوجودیکہ آپ ﷺ گناہ کی ہر آلائش سے پاک ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لئے پیشگی مغفرت

وبخشش کا اعلان خود قرآنِ پاک میں فرما دیا ہے۔ مگر آنحضور ﷺ کا سو مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنا روزانہ کا معمول تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **انی لا ستغفر اللہ واتوب الیه فی الیوم اکثر من سبعین مرة**۔ (میں دن میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں)۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: ''میں ایک دن میں سو مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کرتا ہوں''۔

گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ:

باری تعالیٰ استغفار کرنے والوں کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ **ومن یعمل سوء او یظلم نفسه ثم یستغفر اللہ یجد اللہ غفورا رحیما. (النساء: ۱۱۰)** (اور جو شخص برا کام کر بیٹھے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے تو اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا' بہت رحم فرمانے والا پائے گا)۔ امام ابن کثیرؒ اس آیت کے ذیل میں ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''جس مسلمان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے' وہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ سے استغفار کرے تو اللہ اس کے گناہ کو بخش دیتا ہے۔''

پیر محمد کرم شاہؒ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: ''گناہ کا سرزد ہو جانا بعید از امکان نہیں۔ بسا اوقات انسان جذبات سے مغلوب ہو کر یا نادانی اور ناسمجھی سے غلطی کر بیٹھتا ہے۔ اب اس کے لئے ہرگز روا نہیں کہ وہ اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرے بلکہ اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ اپنے غفور و رحیم مالک کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے قصور کا اعتراف کرے اور صدقِ دل سے ندامت اور شرمندگی کا اظہار کرے اور عہد کرے کہ آئندہ

وہ ایسی ناشائستہ حرکت ہرگز نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دامنِ رحمت میں پناہ دے دیں گے، اور اس کے گناہوں کو بخش دیں گے"۔

اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت کا ایک عجیب وغریب واقعہ صاحب **"سبع سنابل"** نے مشہور محدث امام سفیان ثوریؒ کے حوالے سے بیان کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت کی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اس کے مطابق امام ثوریؒ کے پڑوس میں ایک شرابی کا انتقال ہو گیا جس کے جنازے میں وہ شریک نہ ہوئے۔ رات کو خواب میں دیکھا، کوئی کہتا ہے: "اگر اپنی بھلائی چاہتے ہو تو اس کی قبر پر جاؤ"۔ میں گیا اور لوگوں سے اس کا حال پوچھا۔ لوگوں نے کہا "نزع کے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے تھے اور وہ یہ کہہ رہا تھا "اے دنیا و آخرت کے مالک! اس پر رحم فرما جس کے پاس نہ دنیا ہے اور نہ آخرت!"۔

استغفار بوقتِ سحر۔

یوں تو استغفار اور طلبِ مغفرت کے لئے وقت اور ایام کی کوئی قید نہیں مگر بعض اوقات قبولیتِ دعا کے لئے خاص ہیں جن میں استغفار کرنا احسن اور مستحب ہے۔ ان میں نیم شب اور سحر کے وقت کا بہت درجہ ہے۔ اللہ رب العزت نے ان لوگوں کو مغفرت اور جنت کی خوشخبری سنائی ہے جو رات کو بہت کم سویا کرتے ہیں اور بوقتِ سحر اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: **ان المتقین فی جنت وعیون: اخذین ما اتھم ربھم انھم کانوا قبل ذلک محسنین. کانوا قلیلا من اللیل مایھجعون وبالاسحار ھم یستغفرون** (بیشک اللہ سے ڈرنے والے (اس روز) باغات اور چشموں میں ہوں گے اور اس کے مزے لے رہے ہوں گے جو ان کا رب انہیں بخشے گا۔ بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بھی نیکوکار تھے۔ یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے اور سحر

کے وقت (اپنی خطاؤں کی) بخشش طلب کرتے تھے)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اُمتیوں کو سحر کے وقت اٹھ کر اللہ کو یاد کرنے اور اس کی بارگاہ میں فریاد کرنے کی تلقین نہایت دلنشین انداز میں یوں فرمائی: "جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں، میں بادشاہ ہوں، کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے اور میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کا سوال پورا کروں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کے گناہ بخش دوں؟"۔ ہمارے صوفیاء اور عرفاء نے بھی اس امر کی تائید کی ہے۔ اس سلسلے میں حافظ شیرازیؒ کہتے ہیں:-

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بہ حافظؒ
از یمنِ دعائے شب و وردِ سحری بود

اللہ نے حافظ کو جو بھی نعمتیں عطا کی ہیں وہ رات کو جاگ کر دُعا کرنے اور وقتِ سحر کے وظائف کا ثمرہ ہیں۔ اسی بات کو علامہ اقبالؒ یوں بیان کرتے ہیں:-

عطارؒ ہو، رُومیؒ ہو، رازیؒ ہو، غزالیؒ ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

استغفار کا ایک خاص ورد:

میرے جدِ امجد حضرت اعلیٰ سیدنا پیر مہر علی شاہؒ نے ایک بار جذبِ خاص کے عالم میں اپنے مریدین و متعلقین کو استغفار کے اس وردِ خاص کی عام اجازت فرمائی اور فرمایا کہ حاضرین اسے غائبین تک پہنچا دیں۔

سُبحَانَ اللہ وبحمدہ۔استغفر اللہ۔استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔

تمام پاکیزگی اور حمد اللہ کے لئے ہے۔اے اللہ میں تیری مغفرت چاہتا ہوں' میں سب گناہوں سے تیری مغفرت چاہتا ہوں اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں۔

دُعا ہے کہ اللہ ربّ العزت اپنے فضل وکرم سے شکرِ نعمت' تکالیف پر صبر اور ہر کمی' کوتاہی' غفلت اور لغزش پر استغفار کی توفیق دے کر اپنی رحمت کی وسعت میں پناہ دے۔

آمین ! بحقِ سیّد المرسلین ﷺ

مقصدِ تخلیقِ انساں

انسانی زندگی ایک مقصد اور قانون وضابطہ کی پابند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس خاص مقصد کے تحت تخلیق فرمایا ہے اس کا ذکر فرقانِ مجید میں ان الفاظ میں مرقوم ہے:

وَما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (الذّٰریٰت : ۵۶)

(اور نہیں پیدا کیا میں نے جنوں اور انسانوں کو مگر (اپنی) عبادت کے لئے)

انسان کو دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے اور اس کی بے پایاں عنایاتِ خصوصی' نوازشاتِ بیش بہا اور بے حد وحساب نعمتوں اور مہربانیوں کا شکر ادا کرے۔ پھر سراپا نیاز بن کر اس کے حضور خلوص اور محبت کا نذرانہ پیش کرے۔قوائے فکر و شعور کو اس کی یاد میں اور اعضاء وجوارح کو اس کی اطاعت میں لگادے۔محبت اور ادب کو اپنا مقصدِ حیات بنائے اور ذاتِ حق تعالیٰ کو اپنی منزل سمجھ کر اُس کی تلاش وجستجو میں پیہم رواں دواں رہے۔محبت اور ادب کے اس سفر کے لئے ایک خاص نظامِ عبادات قائم کیا گیا ہے۔عبادات کا تعلق جسمانی اعضاء کے ساتھ ہے۔جسم کے جو اعضاء عبادتِ الٰہی میں مصروف ہوتے ہیں وہ اپنے ایک ایک رونگٹے سمیت دل کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں اور دل ان کے ساتھ بڑا گہرا رابطہ رکھتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جسم کے کسی حصے میں ذرا سی تکلیف ہو جائے تو دل اس کا درد محسوس کرتا ہے۔حضور نبی ءکریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔**ان فی الجسدلمضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب (بخاری ومسلم)**

(بے شک جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب یہ صحیح ہو تو سارا جسم صحیح ہوتا ہے' اور اگر وہ خراب ہو تو جسم کا پورا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔خبردار! وہ لوتھڑا دل ہے) کاملین نے فرمایا ہے کہ اگر

ارکانِ عبادات بے پروائی اور بے توجہی سے ادا کیے جائیں تو وہ محض رسمی اعمال ہوتے ہیں۔عبادتِ الٰہی کے لئے عجز وانکسار کا ہونا لازمی شرط ہے۔تواضع کے بغیر انسان کی منزل تک رسائی قطعاً ناممکن ہے۔انبیاء واولیاء نے اپنی تعلیمات میں عجز ونیاز کو بدرجۂ اتم اہمیت دی ہے۔

عجز کارِ انبیاء و اولیاء
عاجزی مقبولِ درگاہِ خدا

(عجز انبیاء واولیاء کا کام ہے۔نیاز مندی اللہ کے حضور مقبولیت کا درجہ رکھتی ہے۔)

میرے داداجان قبلہ بابوجیؒ فرماتے تھے:''عجز وانکساری کو وہ بہت پسند کرتا ہے' اس تحفہ کو اس کی بارگاہ میں ہر وقت پیش کیا کرو۔شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

مرا پیر دانائے مرشدؔ شہاب — دو اندرز فرمود برروئے آب
یکے آنکہ درخویش خودبیں مباش — دگر آنکہ درغیر بد بیں مباش

(مجھے مرشدِ دانا حضرت شیخ شہاب الدینؒ نے ایک بحری سفر کے دوران دو نصیحتیں فرمائیں۔پہلی یہ کہ اپنی خوبیوں پر نظر مت رکھ اور دوسری یہ کہ دوسروں کے عیوب مت دیکھ)
ابنِ مبارکؒ سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا: ہمیں زیادہ علم حاصل کرنے کی نسبت تھوڑا سا ادب حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔حکمت وعرفان وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جو انسان کو ودیعت کی گئی جس کی بناء پر اسے ملائکہ پر فوقیت حاصل ہوئی۔دل عشق کا مرکز ہے' آئینۂ دل کی صفائی میں انسان کی کامیابی مضمر ہے۔مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

آئینۂ دل چوں شود صافی و پاک
نقش ہا بینی بروں از آب و خاک

فضیلتِ دُعا

قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔**"واذاسالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوالی"**
(اور جب آپ سے (اے میرے حبیب)' میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو (انہیں بتاؤ) میں (ان کے) بالکل نزدیک ہوں۔قبول کرتا ہوں دعا' دعا کرنیوالے کی جب وہ دعا مانگتا ہے مجھ سے' پس انہیں چاہئے کہ میرا حکم مانیں''۔

اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں **امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء** ۔(بھلا کون قبول کرتا ہے ایک بیقرار کی فریاد جب وہ اسے پکارتا ہے' اور (کون) دور کرتا ہے تکلیف) **''مضطر''** اس مصیبت زدہ کو کہتے ہیں جسے شدید پریشانیوں نے اس قدر گھیر لیا ہو کہ وہ ہر طرف سے مایوس ہوکر اللہ کی بارگاہ میں جھک جانے پر مجبور ہو جائے''۔دعا قضائے حاجات کے لئے مجرب ذریعہ اور بےکسوں کے لئے راحت کا سبب ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو دعا نہیں کرتے۔حق تعالیٰ منافقین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے **"ویقبضون ایدیھم"** (اور وہ اپنے ہاتھوں کو سکیڑ لیتے ہیں)۔مفسرین کے مطابق ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو انفاق فی سبیل اللہ نہیں کرتے اور وہ لوگ بھی اس میں شامل ہیں جو اللہ کے حضور دعا مانگنے کے لئے ہاتھ نہیں اُٹھاتے۔ایک حدیثِ نبویؐ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ارشاد نبویؐ ہے:'' **من لم یسئل اللہ یغضب علیہ**. جوشخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر خفا ہوتا ہے'' **(سننِ ابنِ ماجہ)**

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' **الدعا سلاح**

الـمومن وعماد الدين و نور السموات والارض"۔ (دعا مومن کا ہتھیار، دین کا ستون اور آسمانوں اور زمین کا نور ہے) اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ دعا وہ ہے جس میں نہایت عاجزی سے رب کو پکارا جائے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں: "**ادعوا ربكم تضرعا وخفية**"۔ (دعا کرو اپنے رب سے گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے)۔ امام اوزاعیؒ امام زھری سے، اور وہ حضرت عروہؓ سے اور وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "**ان الله يحب الملحين في الدعاء**"۔ (اللہ تعالیٰ دعا میں الحاح وزاری کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے)۔

حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ "سب سے زیادہ قبولیت کے قریب وہ دعا ہے جو صاحبِ حال بندے کی ہو اور دعائے حال وہ ہے کہ بندہ اس قدر مجبور ہو جائے کہ اس کے سوا اسے چارہ نہ ہو"۔ امام ابوالقاسم قشیریؒ ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، بندہ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور رب کریم اس شخص پر خفا ہونے کی وجہ سے اس سے رُخ موڑ لیتا ہے۔ وہ پھر پکارتا ہے، اللہ تعالیٰ پھر توجہ نہیں فرماتے۔ بندہ دعا پر اصرار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں: "میرے بندے نے میرے علاوہ کسی اور کو بلانے سے انکار کر دیا ہے لہٰذا میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں"۔

امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں "**عن ابى امامة قال قيل يا رسول الله! اى الدعا اسمع قال جوف الليل الاخر و دبر الصلوات المكتوبات**"۔ (حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ: کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: آدھی رات کی اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا) امام

بخاریؒ، صحیح بخاری میں روایت کرتے ہیں: **عن ابى هريرة ان رسول ﷺ قال ينزل ربنا تبارك وتعالى كل ليلة الى السماء الدنيا حين يبقىٰ ثلث الليل الاخر يقول من يدعوني فاستجيب له من يسئلني فاعطيه من يستغفرني فاغفرله**۔ "حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارا پروردگار ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو عطا کروں، اور کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کو بخش دوں"۔ صاحبِ ترمذیؒ روایت کرتے ہیں"۔ "**عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سره ان يستجيب الله له عند الشدائد و الكرب فليكثر الدعاء في الرخاء**"

(حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اس بات پر خوش ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں اور مصیبتوں میں اس کی دعا قبول کرے، وہ عیش و آرام میں اللہ تعالیٰ سے بکثرت دعا کرے"۔ امام طبرانیؒ روایت کرتے ہیں۔ **عن جابر ابن عبدالله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله حيى كريم يستحى من عبده ان يرفع يديه فيرد هما صفراً ليس فيهما شئً**"۔ (حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ حیا والا اور کریم ہے، اسے اپنے بندے سے حیا آتی ہے کہ اس کا بندہ اس کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے اور وہ ان ہاتھوں کو خالی لوٹا دے، ان میں کچھ نہ ہو") اس ذاتِ اقدس کی شانِ کریمی کا کیا کہنا، ربِ کریم کو بعض اوقات بندے کا حالتِ اضطرار میں بار بار پکارنا بڑا پسند ہے یہاں تک کہ اس کی اجابت میں بھی دیر

کردی جاتی ہے۔حضور علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں:**عن جابر بن عبدا للہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان العبد یدعوا اللہ وھو یحبہ فیقول اللہ عزو جل یا جبریل اقض لعبدی ھذا حاجتہ واخر فانی احب ان ا سمع صوتہ**"(حضرت جابر بن عبداللہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ایک بندہ اللہ سے دعا کرتا ہے اور اللہ اس کو پسند فرماتا ہے' اللہ عزوجل فرماتا ہے اے جبرائیل! میرے اس بندے کی حاجت کو دیر سے پورا کرنا' کیونکہ میں اس کی آواز سننے کو پسند کرتا ہوں"۔

اجابتِ دعا کے اوقات وآداب

کسی بھی مقصد کے لئے حضورِ قلب' پوری توجہ اور انکساری سے دعا مانگی جائے تو ربِّ کریم اپنی شانِ کریمی کے ساتھ اس پر ضرور توجہ فرماتے ہیں۔امام ابنِ قیم جوزیؒ فرماتے ہیں کہ" اجابتِ دعا کے چھ خصوصی اوقات میں سے کوئی بھی وقت پایا جائے تو دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور وہ چھ اوقات یہ ہیں۔(۱) رات کا آخری تہائی حصہ (۲) اذان کے وقت (۳) اذان واقامت کے درمیان کا وقت (۴) فرض نمازوں کے بعد (۵) جمعہ کے دن جب امام منبر پر چڑھے تا آنکہ نمازِ جمعہ ختم ہو جائے (۶) جمعہ ہی کے دن نمازِ عصر کے بعد کی آخری ساعت"۔ان اوقات میں بھی قلبی خضوع وخشوع ضروری ہے۔دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے'اس کے بعد حضور ﷺ پر درود وسلام بھیجے' اپنی حاجت پیش کرنے سے پہلے اللہ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کی معافی مانگے' اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور اس کے حبیبِ پاکؐ کے وسیلۂ جلیلہ سے اپنی حاجت اس کی جناب میں پیش کرے۔دعا کرنے سے پہلے اگر کچھ صدقہ وخیرات کردے تو اس کی دعا مسترد نہیں ہوگی۔حضرت فضالہ

بن عبیدؓ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو سنا وہ نماز میں دعا کر رہا تھا' اس نے اللہ کی حمد وثنا کی تھی نہ نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا تھا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اس شخص نے عجلت کی ہے۔پھر آپ نے اس شخص کو بلایا اور اس سے یا کسی اور سے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے' پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے' اس کے بعد جو چاہے دعا کرے"۔**(سنن ابوداؤد)** آدابِ دعا میں سب سے ضروری یہ ہے کہ بندہ غافل دل کے ساتھ دعا نہ کرے۔حضور نبیء کریمؐ فرماتے ہیں:" اللہ تعالیٰ ایسے بندے کی دعا قبول نہیں فرماتا جو غفلتِ دل سے دعا کرے"۔کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دورِ مبارکہ میں ایک خستہ حال شخص بڑی آہ وزاری کر رہا تھا۔اس کا اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑانے کا انداز بڑا نرالا تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو باری تعالیٰ سے عرض کیا:"یاالٰہی! اگر میں اس کی حاجت پوری کرسکتا تو ضرور پوری کردیتا"۔اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی:"اے موسیٰ! میں تم سے زیادہ اس پر رحم کرنے والا ہوں مگر وہ مجھے پکارتا ہے اور اس کا دل اپنی بکریوں کے پاس ہے' اور میں کسی ایسے بندے کی دعا قبول نہیں کرتا جس کا دل میرے علاوہ کسی اور جگہ اٹکا ہو"۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ معاملہ اس شخص سے کہہ دیا۔اس نے پھر پوری توجہ اور یکسوئی سے دعا کی اور اس کی دعا قبول ہوگئی۔اللہ کے وہ نیک بندے جو دنیا کی ہر چیز سے کٹ کر اسی کے ہو جاتے ہیں اور دنیا کی ساری محبتوں سے منہ موڑ کر اسی سے رشتۂ محبت جوڑ لیتے ہیں' ان کے اپنے رب سے محبت کے انداز بڑے نرالے ہوتے ہیں۔قرونِ اولیٰ کے ایک بزرگ حضرت صالح مریؒ اکثر کہتے:" جو شخص متواتر ایک دروازہ پر دستک دیتا رہتا ہے وہ دروازہ عنقریب اس کے لئے کھول دیا جاتا ہے"۔ایک دن حضرت رابعہ بصریؒ نے یہ سنا تو فرمایا:" وہ دروازہ

بند ہی کب ہوا ہے کہ کھلوانے کی ضرورت پیش آئے''۔ یہ جواب سن کر صالح نے کہا: ''ایک بوڑھا (یعنی خود صالح) بے خبر ہے اور عورت (رابعہؒ) باخبر ہے۔ صاحبِ کتاب المجانین بسند حضرت حسن بصریؒ بیان کرتے ہیں: کہ انصار صحابہ میں ابو مغلقؓ ایک بڑے تاجر تھے' اپنے اور دوسروں کے مال سے تجارت کیا کرتے' نہایت عبادت گزار اور شب بیدار تھے۔ ایک مرتبہ وہ سفر پر تھے۔ دورانِ سفر ایک مسلح ڈاکو سے واسطہ پڑا۔ ڈاکو ان سے کہنے لگا: ''جو کچھ تیرے پاس ہے یہیں رکھ دو۔ میں تجھے قتل کر دوں گا''۔ ابو مغلق انصاریؓ فرمانے لگے: ''تمہیں مال کی ضرورت ہے تو یہ لے لو اور مجھے چھوڑ دو''۔ ڈاکو کہنے لگا: ''مال تو اب میرا ہو ہی چکا ہے میں تمہیں بھی قتل کروں گا''۔ وہ صحابی رسول ﷺ فرمانے لگے: ''اگر تم مجھے چھوڑ نہیں سکتے تو کم از کم اتنی مہلت دے دو کہ میں چار رکعت نماز نفل پڑھ لوں''۔ اجازت ملنے پر ابو مغلقؓ نے وضو کیا اور چار رکعت نماز پڑھی۔ نماز کے آخری سجدے میں انہوں نے یہ دعا تین بار پڑھی: '**یا ودود یا ودود یا ذالعرش المجید یا مبدیء یا معید یا فعال لما یرید اسالک بنور و جھک الذی ملا ارکان عرشک و اسئلک بقدرتک التی قدرت بھا علی جمیع خلقک و برحمتک التی وسعت کل شییء لااله الا انت یا مغیث اغثنی''**

جب وہ دعا سے فارغ ہوئے تو اچانک ایک سوار نمودار ہوا' اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا جو گھوڑے کے سر پر کانوں کے درمیان رکھے ہوئے تھا۔ جب ڈاکو نے سوار کو دیکھا تو فوراً اس کی طرف لپکا' سوار نے ڈاکو پر حملہ کر دیا اور نیزہ مار کر اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد سوار نے ابو مغلق انصاریؓ سے کہا: ''اٹھو' سر اٹھاؤ!'' ابو مغلق انصاریؓ بولے: ''میرے ماں باپ تم پر قربان' تم کون ہو؟ آج تیرے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی ہے''۔ سوار کہنے

لگا: ''میں چوتھے آسمان کا ایک فرشتہ ہوں جس وقت تم نے بارگاہِ ربِ ذوالجلال میں فریاد کی تو تیسرے آسمان کے کڑکڑانے کی آواز سن کر ہم نے سمجھا کوئی ہولناک حادثہ ہوا ہے۔ پھر تو نے دوسری مرتبہ دعا کی تو آسمان کے دروازے کھل گئے۔ پھر جب تو نے تیسری بار دعا کی تو آسمان سے جبریلِ امین اتر کر ہمارے پاس آئے' وہ اس مصیبت زدہ کے لئے پکار رہے تھے: میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس کام پر مجھے مامور کیا جائے چنانچہ میں تیری مدد کے لئے یہاں پہنچا ہوں''۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: وہ صحابی رسول ﷺ صحیح سلامت مدینہ منورہ پہنچے اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں سارا قصہ سنایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے حسنیٰ کے ذریعے تیری مدد کی ہے' جب ان کے وسیلہ سے دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے اور ان کے ذریعہ کوئی چیز مانگی جائے تو وہ دے دیتا ہے''۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ''جو شخص وضو کر کے چار رکعت نماز نفل پڑھے اور مذکورہ دعا پڑھے تو اس کی دعا ضرور قبول ہوگی چاہے وہ مصیبت زدہ ہو یا نہ ہو''۔

ہمارے اسلاف کا اپنے پروردگار سے مانگنے کا رنگ ڈھنگ بڑا نرالا تھا۔ حضرت ابونصر سراج طوسیؒ حضرت جنید بغدادیؒ کی یہ دعا بیان کرتے ہیں جو ''**کتاب المناجاۃ**'' سے لی گئی ہے۔ ''خدایا' میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں' اے سب سے بڑھ کر سننے والے اور اکرم الاکرمین! میں تجھے تیری بزرگی اور سخاوت کا واسطہ دیتا ہوں اور تیرے کرم اور فضل کا وسیلہ پیش کرتا ہوں' اے سخیوں کے سخی! تیرے احسان اور مہربانی کا واسطہ' اے سب سے بہترین عطا کرنے والے! میں تجھ سے اس طرح عرض گزار ہوں جس طرح ایک عاجز' کمزور اور ذلیل شخص درخواست کرتا ہے۔ اسے تیری شدید ضرورت ہے جس نے اپنی مجبوری کے مطابق اپنی حاجت کو تیرے سامنے پیش کیا۔ کوئی سفارش کرنے والا ابھی تیری اجازت کے

بغیر سفارش نہیں کر سکتا، تو نے میری بہت سی برائیوں پر پردہ ڈالا اور بہت سی مصیبتوں کو مجھ سے ٹال دیا۔ اے فریادیوں کی آواز سننے والے اور اے خاموش رہنے والوں کے مخفی رازوں کو جاننے والے اور اے خلوت میں حرکت کرنے والوں کے افعال پر اطلاع پانے والے، اے دوڑ دھوپ کرنے والوں کے چھوٹے اور بڑے کاموں کو دیکھنے والے، میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے برے اعمال کی وجہ سے میری آواز کو اپنے تک پہنچنے سے روک نہ لینا اور جو پوشیدہ راز تو میرے جانتا ہے ان کی وجہ سے مجھے رسوا نہ کرنا اور میری خلوت کے افعال پر جو تو سب جانتا ہے مجھے سزا نہ دینا۔ ہر حال میں مجھ پر مہربانی فرما۔ میرے روز و شب کے اوقات کو اپنے ذکر سے معمور فرما دے تاکہ عبادت میں تجھ سے ایک لحظہ بھی غافل نہ ہو سکوں۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے اور نہایت انکساری و خاکساری سے حق تعالیٰ کے حضور دعا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ **(آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ)**

آدابِ دعا

ربنا اننا سمعنا منا دیا ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا ربنا فاغفرلنا ذنوبنا و کفر عنا سیاتناو تو فنامع الابرار۔ ربنا و اتنا ماوعدتنا علی رسلک ولا تخزنایوم القیمة انک لا تخلف المیعاد. (اے ہمارے رب! بے شک ہم نے منادی کرنے والے کو سنا جو بلاتا ہے ایمان کی طرف اور کہتا ہے ایمان لاؤ اپنے رب پر، تو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! پس بخش دے ہمارے گناہ اور مٹا دے ہم سے ہماری برائیاں (اپنے کرم سے) اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔ اے ہمارے ربّ! ہمیں عطا فرما جو وعدہ کیا تُو نے ہمارے ساتھ رسولوں کے ذریعے اور نہ رسوا کر ہمیں قیامت کے دن۔ بے شک تُو وعدہ خلافی نہیں کرتا) **(۳:۱۹۳،۱۹۴)**

دعا کے آداب میں یہ بھی شامل ہے کہ بندہ اس بات پر کامل یقین رکھے کہ مانگنے والا کبھی قبولیتِ دعا سے محروم نہیں ہوگا۔ جب انسان اس اُمید پر اپنے ربّ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے کہ اے مالک! میں نے جو بھی پایا تیری شانِ رحمت کا صدقہ ہے اور جو کچھ آئندہ پاؤں گا تیرے ہی در سے پاؤں گا تو اللہ تعالیٰ کا جُود و کرم اس شان سے نازل ہوتا ہے کہ بندہ حیران رہ جاتا ہے اور سوچتا ہے اس طرح تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کا اپنے رب کو پکارنے کا ذکر یوں کیا: **ذکر رحمت ربک عبده زکریا اذنادی ربه نداء خفیا قال رب انی وهن العظم منی واشتعل الراس شیبا ولم اکن بد عائک رب شقیا"** (یہ ذکر ہے آپؐ کے رب کی اس رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی، جب اس نے پکارا اور اپنے ربّ کو چپکے چپکے عرض کی "اے میرے ربّ! میری حالت یہ ہے کہ میری ہڈیاں کمزور ہوگئی

ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بالکل سفید ہو گیا ہے' ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تجھے پکارا ہو' اور
اے میرے رب! میں نامراد رہا ہوں) (۱۹:۳'۴) ۔انسان کو چاہیے کہ پریشانی اور مصیبت
کے وقت اپنے خالق کو پکارے کیونکہ بندگیءحق کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے دل کا سارا معاملہ
اس پر چھوڑ دے اور یہ بات خالق کو بہت پسند ہے۔حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے
حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں اسّی سال روتے رہے' ان کی آنکھ کی سیاہی کا رنگ
جاتا رہا اور بینائی کمزور ہوگئی۔اس حالت میں کبھی بے صبری کا کلمہ آپ کی زبانِ مبارک پر نہ
آیا۔غم کے ان ایّام میں حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے تھے: **قال انما اشکوابثی و حزنی الی اللہ و اعلم من اللہ مالا تعلمون** ۔'(انہوں نے فرمایا میں تو فریاد کر رہا ہوں
اپنی مصیبت اور اپنے غم کی خدا کی بارگاہ میں اور میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تم
نہیں جانتے۔(۸۶:۱۲)''

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''بندہ حالتِ سجدہ
میں اپنے ربّ کے زیادہ قریب ہوتا ہے اس لئے حالتِ سجدہ میں دعا کیا کرو' اس کی قبولیت
کی امید زیادہ ہوتی ہے'' حضور نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر سجدہ میں گڑگڑا کر دعا
مانگی یہاں تک کہ اہلِ ایمان نے اپنے سے کئی گنا زیادہ دشمن پر فتح حاصل کی۔انسان کا دل
اپنے گناہوں پر پشیمان ہو تو صالحین سے دعا کرانی چاہئے۔حضرت یوسف علیہ السلام کے
بھائی جب اپنی غلطی پر پشیمان ہوئے تو اپنے والدِ محترم کے پاس یوں عرض گزار ہوئے: **یاابانا استغفرلنا ذنو بنا انا کنا خٰطئین** (بیٹوں نے عرض کی' اے ہمارے پدرِ (محترم)
مغفرت مانگئے ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی۔بیشک ہم ہی قصوروار تھے) **(۹۷:۱۲)**
حضرت یعقوب علیہ السلام نے وقتِ سحر بعدِ نماز اللہ کی بارگاہ میں اپنے بیٹوں کے حق میں

دعا کی وہ قبول ہوئی اور ان کے بیٹوں کو معاف کر دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابۂ کرامؓ کے لئے اکثر دعا کیا کرتے تھے۔حضرت
ابو الدرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جو کوئی مسلمان اپنے بھائی کے
لئے اس کی پیٹھ پیچھے دعا کرے قبول ہوتی ہے اس کے پاس مؤکّل فرشتہ ہوتا ہے کہ وہ جب
بھی اپنے بھائی کے لئے (غائبانہ) اچھی دعا کرے' تو مؤکّل فرشتہ آمین کہتا ہے اور کہتا ہے
ایسا ہی تجھے بھی ملے!'' (**صحیح مسلم**)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبیء کریم ﷺ فرماتے ہیں۔''**ثلث دعوات مستجابات لا شک فیھن دعوۃ الوالد و دعوۃ المسافر و دعوۃ المظلوم** ''(ترمذی' ابوداؤد)۔تین دعائیں بلاشبہ ضرور قبول ہوتی ہیں۔(۱) باپ کی دعا
(اولاد کے لئے) (۲) مسافر کی دعا (۳) مظلوم کی دعا۔مظلوم کی اس لئے کہ وہ دنیا کے
سارے سہاروں سے مایوس ہو کر بے اختیار ہو کر اپنے ربّ کو پکارتا ہے' مسافر کی اس لئے کہ
وہ سفر میں اپنے عزیز و اقارب اور دوستوں اور رفیقوں سے بالکل الگ اور بے سہارا ہو جاتا
ہے اور باپ کی دعا اولاد کی لیے اس لئے وہ کبھی اپنی پدری محبت کی بناء پر بد دعا نہیں کر
سکتا۔ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔''میں مظلوم کی دعا کبھی رد نہیں کروں گا
خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو''۔امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
فرمایا''مظلوم کی بد دعا سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ اور مظلوم کے درمیان کوئی آڑ نہیں ہوتی'
مظلوم کی دعا سیدھی ربِ ذوالجلال کے حضور پہنچتی ہے''۔امام مسلمؒ حضرت جابرؓ سے روایت
کرتے ہیں کہ تین قسم کے لوگوں کی دعائیں اللہ قبول نہیں کرتا اور ان کے نیک اعمال بھی اللہ
کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتے۔

(۱) بھاگا ہوا غلام، جب تک وہ اپنے آقا کی طرف لوٹ نہ جائے۔

(۲) نشے والا شخص جب تک کہ وہ ہوش میں نہ آ جائے۔

(۳) وہ عورت جس کا خاوند اس سے ناراض ہو جائے۔

بخاری اور مسلم کی ایک مشترکہ حدیث میں اس امر کو واضح کیا گیا ہے کہ انسان جب اپنی کسی سابقہ نیکی کا واسطہ دیتا ہے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور کرم کے دروازے کھول دیتا ہے اور اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تین اشخاص سفر کر رہے تھے اچانک بارش نے اُن کو آ لیا، انہوں نے ایک غار میں پناہ لی، آنِ واحد میں پہاڑ سے ایک پتھر لڑھک کر نیچے آیا جس سے غار کا منہ بند ہو گیا۔ تینوں نے زور لگایا مگر پتھر اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ پریشانی کے عالم میں وہ غار سے باہر نکلنے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔ ان میں سے ایک نے دوسروں سے کہا اپنے اپنے نیک اعمال کو یاد کرو جو خالصتاً اللہ کے لئے کئے ہوں اور ان اعمال کے وسیلہ سے دعا مانگو، شاید ان اعمال کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ اس پتھر کو ہٹا دے۔ چنانچہ پہلے خود اس نے اپنی یہ نیکی بیان کی کہ میرے ماں باپ بوڑھے اور کمزور تھے۔ اس کے علاوہ میری بیوی اور چھوٹے چھوٹے بچے تھے جن کے لئے میں بھیڑ بکریاں چراتا تھا، شام کو گھر آ کر بکریوں کا دودھ دوہتا اور سب سے پہلے اپنے والدین کو پیش کرتا۔ اس کے بعد بیوی بچے پیتے۔ ایک دن میں گھر دیر سے پہنچا، ماں باپ کو دیکھا تو وہ سو رہے تھے، میں نے دودھ دوہا اور والدین کے سرہانے کھڑا ہو گیا، میں نے نیند سے انہیں اٹھانا مناسب نہ سمجھا چنانچہ ساری رات اسی طرح بیت گئی جب کہ میرے بچے بھوک سے روتے رہے، یا اللہ! اگر یہ فعل میں نے صرف تیری رضا کے لئے کیا تھا تو ہمیں اس پتھر والی مصیبت سے نکال۔ چنانچہ پتھر تھوڑا سا سرک

گیا۔ لیکن وہ ابھی باہر نہ نکل سکتے تھے۔ دوسرا کہنے لگا: میں اپنے چچا کی بیٹی پر فریفتہ تھا، ایک روز جب میں اس کی تمام خواہشات اور تقاضے پورے کر کے برائی پر قادر تھا لیکن اس وقت اللہ کے خوف سے ڈر گیا اور اسے چھوڑ دیا۔ یا اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کے لئے کیا ہے تو ہمیں اس چٹان والی مصیبت سے نکال۔ چنانچہ اس پر پتھر مزید سرک گیا۔ لیکن ابھی تک وہ اس سے نکل نہ سکتے تھے۔ تیسرا بولا کہ میں نے ایک مزدور کو چاول کی ایک مقدار دینے کے عوض مزدوری پر رکھا۔ شام کے وقت مقدار پر جھگڑا ہو گیا اور مزدور مزدوری لئے بغیر چلا گیا۔ میں نے ان چاولوں کو بو دیا، ان چاولوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت دی کہ میں نے چاولوں کی رقم سے گائے بیل خرید لئے اور ان کی خدمت کے لئے غلام بھی حاصل کر لئے۔ بہت طویل مدت کے بعد وہ مزدور آیا اور کہنے لگا ''اللہ سے ڈرو اور میرا حق مجھے دو''۔ میں نے کہا جاؤ گائے، بیل، غلام سب تیرے ہیں'' وہ کہنے لگا: ''خدائے بزرگ و برتر سے ڈر اور مجھ سے مزاح نہ کر''۔ میں نے کہا: ''میں تیرے ساتھ ایسا کرنے سے توبہ واستغفار کرتا ہوں''۔ اس کے بعد میں نے اسے سارا قصہ سنا دیا۔ اے میرے مالک! تو جانتا ہے کہ میں نے یہ فعل فقط تیری خوشنودی کی خاطر کیا تھا تو اس پتھر کو سرکا دے۔ چنانچہ وہ پتھر مزید ہٹ گیا اور وہ تینوں مسافر باہر نکل آئے۔ **(متفق علیہ)**

کبھی کسی کے لئے بددعا نہیں کرنا چاہئے۔ اگر کسی نے ظلم اور ناانصافی بھی کی ہو تو اس کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہئے۔ اوّل تو اس زیادتی کا فیصلہ دنیا میں ہی ہو جائے گا، نہیں تو روزِ جزا ظلم کرنے والے کی نیکیاں مظلوم کے پلڑے میں ڈال دی جائیں گی۔ ابن سعدؒ اور علامہ بلاذریؒ روایت کرتے ہیں: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اہلِ مکہ کے جور وستم سے تنگ آ گئے تو طائف کا رُخ کیا، (طائف مکہ مکرمہ سے ۵۰ میل شرقاً واقع ہے)۔ آپؐ

چاہتے تھے کہ طائف والوں کو اسلام کی دعوت دیں اور وہاں کے سب سے طاقت ور قبیلے بنو ثقیف کو کم از کم اس بات پر راضی کر لیں کہ وہ آپؐ کو اپنے ہاں پناہ دیں اور اسلام کی دعوت دینے میں ان کی حمایت کریں۔ وادیٔ طائف کی سرداری تین لڑکوں کے پاس تھی: عبد یالیل، مسعود اور حبیب۔ آپ ﷺ فرداً فرداً تینوں کے پاس گئے لیکن انہوں نے آپؐ کے ساتھ نہایت ہتک آمیز سلوک کیا اور اپنے لفنگوں اور غلاموں کو آپؐ کے خلاف اکسا کر پیچھے لگا دیا۔ وہ غنڈے آپؐ پر آوازے کسنے لگے۔ موسیٰ بن عقبہؓ کہتے ہیں کہ ان بدمعاشوں نے تاک تاک کر آپؐ کے ٹخنوں اور ایڑیوں پر پتھر مارے۔ آپؐ کے راستے کے دونوں طرف وہ صفیں بنا کر کھڑے تھے اور جیسے جیسے آپؐ قدم اٹھا کے چلتے تھے، وہ سنگ باری کرتے جاتے، یہاں تک کہ آپؐ کی جوتیاں خون سے لت پت ہو گئیں۔ چوٹوں کی تکلیف سے جب آپؐ بیٹھ جاتے تو وہ دوبارہ آپؐ کو کھڑا کر دیتے تاکہ پھر نشانہ باندھیں۔ چنانچہ اسی حالت میں پتھر کھاتے ہوئے شہرِ طائف سے باہر نکل گئے اور زخموں سے چُور ہو کر عتبہ اور شیبہ کے باغ میں ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ اُس وقت آپؐ نے جو رقت انگیز دعا کی وہ الفاظ امام طبرانیؒ نے **"کتاب الدعا"** میں امام طبریؒ نے تاریخ میں اور حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایہ" میں نقل کئے ہیں۔ "اے میرے مالک! میں تیری ہی بارگاہ میں اپنی بے بسی اور بے چارگی اور لوگوں کے سامنے اپنی بے قدری پر عرض گزار ہوں، اے ارحم الراحمین! تو سارے ناتواں اور کمزور لوگوں کا ربّ ہے اور میرا ربّ بھی تو ہی ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟۔ کسی غیر کے حوالے جو مجھ پر سختی کریں یا کسی دشمن کے حوالے جسے تو نے مجھ پر قابو پانے کی طاقت دی۔ اگر تو مجھ پر ناراض نہیں تو مجھے کسی چیز کی پروا نہیں، اگر تیری طرف سے مجھے کشادگی مل جائے تو میرے لئے بڑی نعمت

ہے۔۔۔ اے اللہ! تیری رضا پر میں راضی ہوں یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے، تو ہر چیز پر قادر ہے۔" حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے، آنحضور ﷺ فرماتے ہیں: میں نے اوپر نگاہ اٹھائی، دیکھا کہ ایک ابر میرے اوپر سایہ کئے ہوئے ہے، پھر دیکھا کہ اس میں جبریلِ امین موجود ہیں جو یوں بولے، آپؐ کے رب نے سب سن لیا ہے، آپؐ نے ان لوگوں کو جو دعوت دی اور انہوں نے جو جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کا فرشتہ آپؐ کی طرف بھیجا ہے اسے جو چاہیں حکم دیں۔ اگر آپ کہیں تو پہاڑ ایک ساتھ ملا دوں اور شہرِ طائف کے رہنے والوں کو ملیا میٹ کر دوں"۔ اس پر رحمۃ للعالمینؐ نے فرمایا: نہیں نہیں بالکل نہیں! میں امید کرتا ہوں کہ باری تعالیٰ ان کی آنے والی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں گے۔ رحمتِ عالمؐ کا یہ طرزِ عمل ہمیں اپنی زندگی میں اپنانا چاہئے۔ مصیبت، بے بسی اور حالتِ اضطرار میں اللہ کے حضور گڑگڑائیں اور اسی کی بارگاہ میں جھک جائیں۔ اگر کسی نے ظلم و زیادتی کی انتہا بھی کر دی، تو بھی اس کے لئے بددعا نہ کریں کیونکہ ہمارے پیارے حبیب ﷺ سے بڑھ کر کسی پر تنگی کا وقت نہیں آیا۔ امام محمد بن الجزریؒ فرماتے ہیں کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ مندرجہ ذیل لوگوں کی دعا خاص طور پر قبول ہوتی ہے۔

(۱) مجبور، لاچار اور بے بس لوگ، اگرچہ وہ کتنے ہی گنہگار کیوں نہ ہوں۔

(۲) امامِ عادل کی دعا اپنی رعایا کے لئے۔

(۳) ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والی خدمت گزار اولاد کی دعا۔

(۴) ہر مسافر کی دعا

(۵) حاجی کی دعا جب وہ حج کر کے واپس اپنے گھر پہنچ جائے۔

(۶) ہر نیکو کار مومن کی دعا۔

اب آئندہ سطور میں قارئین کے لئے چند سورتیں اور آیتیں پیش کی جاتی ہیں جن کی فضیلت احادیثِ صحیحہ سے مسلّمہ طور پر ثابت ہے۔

سورۃ فاتحہ کو اُم الکتاب بھی کہا گیا۔ سورۃ فاتحہ ایک دعا ہے' آنحضورﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ سورہ عرشِ بریں کے زیریں خزانۂ خاص سے عطا ہوئی۔ احادیث میں سورۃ فاتحہ کو ''اعظم السورۃ فی القرآن'' کہا گیا ہے۔ آپﷺ کا ارشادِ گرامی ہے ''اگر تم رات کو بستر میں جانے سے پہلے سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھ لو گے تو موت کے سوا ہر مصیبت سے محفوظ ہو جاؤ گے''۔ امام بخاریؒ بروایتِ حضرت ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا: ''**آیت الکرسی**'' جو بلحاظ اجر و ثواب قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت ہے اور قرآن کی آیتوں کی سردار ہے۔ جس مال اور اولاد پر ''**آیت الکرسی**'' پڑھ کر دم کر دیا جائے یا لکھ کر اُسے مال میں رکھ دیا جائے یا بچے کے گلے میں ڈال دی جائے تو شیطان اس مال و اولاد کے قریب نہیں آ سکتا''۔ (**صحیح بخاری**) علامہ قرطبیؒ رقمطراز ہیں: ''حضرت معاذؓ بن جبل ایک مرتبہ نمازِ جمعہ میں شریک نہ ہو سکے' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وجہ پوچھی تو انہوں نے عرض کی میں یوحنا بن باریا یہودی کا قرض دار ہوں اور عین وقتِ نماز وہ میرے دروازے پر تاک لگائے بیٹھا تھا کہ میں گھر سے نکلوں اور مجھے گرفتار کر لے۔ اس لئے حاضری سے محروم رہا۔ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ''اے معاذؓ! کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا سارا قرض اتر جائے؟'' میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ: میں آپؐ پر قربان ہو جاؤں ضرور بتایئے'' تو آپؐ نے فرمایا: ''**سورۂ آلِ عمران** کی آیات ۲۶۔۲۷ پڑھا کرو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ قرضہ اتار دے گا''۔ آیات یہ ہیں ''**اللّٰھم مالک**

الملک توتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعزمن تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر تولج اللیل فی النھار و تولج النھار فی اللیل و تخرج الحی من المیت و تخرج المیت من الحی و ترزق من تشاء بغیر حساب.''. (اے حبیبؐ! یوں عرض کرو) اے اللہ! اے مالک سب ملکوں کے! تُو بخش دیتا ہے ملک جسے چاہتا ہے اور چھین لیتا ہے ملک جس سے چاہتا ہے' اور عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ذلیل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں ہے ساری بھلائی' بے شک تُو ہر چیز پر قادر ہے۔ تُو داخل کرتا ہے رات (کا حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے تُو دن (کا حصہ) رات میں اور نکالتا ہے تُو زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے۔ اور رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بے حساب)۔

حضرت معقلؓ بن یسار سے روایت ہے نبیء کریمﷺ نے فرمایا ''جو شخص صبح کے وقت تعوّذ اور تسمیہ کے بعد تین مرتبہ سورۃ حشر کی آخری تین آیات پڑھ لے گا' اللہ تعالیٰ اس شخص کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر کر دیں گے جو شام تک اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہیں گے۔ اگر اس دن وہ مر گیا تو شہادت کی موت مرے گا اور جس نے شام کو یہ آیات پڑھیں اتنے ہی درجات صبح تک اسے ملتے رہیں گے''۔ وہ آیات یہ ہیں۔

ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب و الشھادۃ ھو الرحمن الرحیم ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلم المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر' سبحان اللہ عما یشرکون ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنی یسبح لہ مافی السموات و الارض وھو العزیز الحکیم. (اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی برحق معبود نہیں' جاننے والا ہر چھپی ہوئی اور ہر

ظاہر چیز کا، وہی بہت مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں۔ سب کا بادشاہ، نہایت مقدس، سلامت رکھنے والا، امان بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، عظمت والا، بڑائی رکھنے والا ہے، پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں۔ وہی اللہ سب کا خالق، سب کو پیدا کرنے والا (سب کی مناسب) صورت بنانے والا ہے۔ سارے خوبصورت نام اسی کے ہیں۔ اس کی تسبیح کر رہے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہی عزت والا، حکمت والا ہے)۔

سورۃ اخلاص: امام احمدؒ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں: ایک صحابیؓ نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے سورۃ اخلاص سے سچی محبت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی محبت تجھے جنت میں لے جائے گی''۔ حضرت عقبہؓ بن عامر فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں تین سورتیں ایسی بتاتا ہوں جو توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن میں ہیں۔ پھر آپؐ نے الاخلاص، الفلق، اور الناس تلاوت فرمائیں اور فرمایا: ''رات کو اس وقت تک نہ سوؤ جب تک ان تینوں کو تلاوت نہ کرلو''۔ حضرت عقبہؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں ان تینوں سورتوں کے پڑھے بغیر کبھی نہیں سویا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابۂ کرامؓ سے فرمایا: ''تم میں سے کون ایک تہائی قرآن رات بھر میں پڑھ سکتا ہے؟ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا ''یارسول اللہ، یہ تو بہت مشکل ہے''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سورۃ اخلاص ثلثِ قرآن ہے کیا تم قل ھو اللہ احد نہیں پڑھ سکتے؟''۔ حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی قتادہؓ بن نعمان کو دیکھا کہ وہ اکثر رات کو سورۃ اخلاص بار بار پڑھ کر سوتے ہیں۔ میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس پروردگار کی جس کے

قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے''۔

امام بخاریؒ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صحابیؓ نے حضور نبی کریم ﷺ سے اپنی بے انتہا غربت اور بے بسی کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کیا کرو، چاہے گھر میں کوئی فرد ہو یا نہ ہو۔ اس کے بعد سورۃ اخلاص پڑھ کر مجھ پر درود و سلام بھیجا کرو''۔ اس صحابی رسولؐ نے اسی طرح عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے مال میں اتنی برکت دی کہ وہ نہ صرف اپنے اہل و عیال بلکہ پڑوسیوں اور رشتہ داروں کی بھی مدد کیا کرتا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقبولین کے صدقے ان دعاؤں اور آیات کو اخلاص سے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امین بجاہِ سید المرسلین ﷺ

چند ادعیۂ ماثورہ

ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا وتر حمنا لنکونن من الخٰسرین

(اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو یقیناً ہم نقصان اُٹھانے والوں سے ہو جائیں گے)

دعا اطمینانِ قلب کا بہترین ذریعہ ہے۔اس سے قناعت کی دولت حاصل ہوتی ہے اور دل کو سکون ملتا ہے۔دعا کے بعد مصیبت دور ہو یا نہ ہو لیکن دل کو تسلی ضرور ہوتی ہے۔گڑگڑا کر دعا مانگنے سے دل و دماغ پر غم و یاس کے چھائے ہوئے بادل یکسر چھٹ جاتے ہیں۔ایک حدیثِ نبویؐ میں ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:''جو مسلمان دعا مانگے اور اس میں کوئی ایسی بات نہ ہو جس میں گناہ یا قرابت داری کے انقطاع کا ذکر ہو تو اللہ تعالیٰ مانگنے والے کو ان تین چیزوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے۔(۱) اس کا مقصد جلد پورا ہو جاتا ہے (۲) اس کی دعا آخرت کے لئے ذخیرہ بن جاتی ہے۔(۳) مانگنے والے کے لئے کوئی اور مصیبت رفع کر دی جاتی ہے'' یہ سن کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے عرض کیا: اب تو ہم بہت زیادہ دعا کریں گے۔

ایک روز نبیءکریم ﷺ نے فرمایا:''اے لوگو! اللہ پاک ہے اور پاکیزہ چیز کو پسند کرتا ہے''۔پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔**"یایھا الذین امنوا کلوامن طیبت مارز قنکم"**(اے ایمان والو! طیب چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں)' پھر فرمایا:''ایک آدمی دور دراز کے سفر پر جاتا ہے' اس کے بال پراگندہ اور گرد آلود ہو جاتے ہیں' وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے' یاربّ! یاربّ! پکارتا ہے۔حالانکہ اس نے جو کھایا وہ بھی حرام' جو پیا وہ بھی حرام' جو اس نے پہنا وہ بھی حرام۔**فانی یستجاب ذلک**

تو ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہوگی؟ **(صحیح بخاری)**

روزمرہ کی اشیائے خوردونوش میں ذرا سا اشتباہ بھی آپؐ کو سخت ناپسند تھا۔آپ ﷺ کی سنتِ مطہرہ کی تقلید اور آپ ﷺ کی خواہش اور طریقے کی پیروی میں صلحائے امت نے بھی ہمیشہ اکلِ حلال پر زور دیا اور مشتبہات کو ترک فرمایا تاکہ آپ ﷺ کی رضا حاصل کی جا سکے۔حضرت شیخ فریدالدینؒ ہر شبِ جمعہ حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں ثواب پہنچانے کی خاطر کھانا پکوا کر ختم دلواتے اور فقراء میں تقسیم کر دیتے۔ایک دن خادم نے بے توجہی سے حضرت شیخ کی اجازت کے بغیر کسی اور گھر کے برتن استعمال کئے' جب رات بیت گئی تو شیخ فریدالدینؒ اپنے حجرہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا:''آج رات میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خلافِ معمول حجرہ سے باہر قیام فرما دیکھا''۔میں نے سلام کے بعد عرض کیا''میری بدنصیبی ہے کہ آج آپ ﷺ نے حجرۂ تاریک کو منور نہیں فرمایا''۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''میرے بیٹے فرید! تمہارے گھر میں مشتبہ برتن پڑے ہیں''۔حضرت شیخ فریدالدینؒ نے فوراً وہ برتن اٹھوا دیئے اور دوسری جمعرات کو پہلے سے دگنا کھانا پکوا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں تحفہ پیش کیا۔

حضرت سعیدؓ بن مسیّب کی شہد کی دکان تھی۔ایک عورت شہد لینے آئی اور عرض گزار ہوئی:''یا حضرت! میرا بیٹا بیمار ہے اس کے لئے شہد چاہیے''۔حضرت سعیدؓ بن مسیّب نے ملازم کو کہا''اسے شہد کا کنستر دے دو''۔ملازم نے کہا:''یا شیخ! یہ پیالہ بھر شہد مانگ رہی ہے! آپؓ خاموش رہے۔چند لمحوں بعد عورت نے دوبارہ شہد مانگا۔آپ نے ملازم کو پھر ایک کنستر شہد دینے کو کہا۔آپ نے فرمایا:''یہ عورت اپنے ظرف کے مطابق مانگ رہی ہے ہم اپنے ظرف کے مطابق دیں گے' درحقیقت جب ہم اللہ سے دعا مانگتے ہیں تو اپنے ظرف

کے مطابق مانگتے ہیں وہ ہمیں اپنی شان وظرف کے مطابق عطا فرماتا ہے''۔

آئندہ سطور میں چند دعاؤں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کا ورد جلیل القدر انبیاء واولیاء کی زندگی کا معمول رہا۔ امام احمد ترمذیؒ روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا ''**دعوۃ ذی النون اذا دعاربہ وھوفی بطن الحوت لاالہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین، لم یدع بھا رجل مسلم فی شیء الا استجاب لہ**'' (حضرت یونسؑ کی دعا جو انہوں نے مچھلی کے بطن میں کی تھی: **لاالہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین**، ہر مسلمان ان الفاظ سے دعا کرے وہ قبول ہوگی)۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''بے شک میں وہ کلمہ جانتا ہوں جس سے اللہ کے حضور التجا کی جائے تو اللہ تعالیٰ مشکل آسان فرما دیتا ہے اور وہ کلمہ میرے بھائی یونس علیہ السلام کا ہے۔ **لاالہ الاانت سبحانک انی کنت من الظالمین!** حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اپنے والد گرامی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں: ''مجھے میرے والدِ ماجد نے اجازت دی کہ کوئی بھی انسان مشکل وقت میں چار رکعتیں پڑھے۔ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد **لاالہ الاانت سبحانک انی کنت من الظالمین فاستجبنا لہ و نجینہ من الغم و کذالک ننجی المومنین** کو سو بار پڑھے، دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد **رب انی مسنی الضروانت ارحم الراحمین** ۔ سو بار پڑھے، تیسری رکعت میں فاتحہ کے بعد **وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد** سو بار، چوتھی رکعت میں فاتحہ کے بعد **قالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل** سو بار پڑھے، پھر سلام پھیر کر سو بار یہ پڑھے **رب انی مغلوب فانتصر**. شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ

چاروں آیتیں اسمِ اعظم ہیں جو شخص ان کے وسیلے سے دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔

امام طبرانیؒ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **لاحول ولاقوۃ الا باللہ** کا ورد ننانوے امراض کی دوا ہے جن میں سب سے ہلکی بیماری، رنج وغم اور فکر و پریشانی ہے (جو اس کلمہ سے دور ہوتی ہے)۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابوموسیٰؓ سے مروی ہے کہ جو کوئی **لاحول ولاقوۃ الا باللہ** کو روزانہ سو مرتبہ پڑھے اسے کبھی محتاجی نہیں ہوگی۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے جس پر روزی تنگ ہوا سے چاہیے **لاحول ولاقوۃ الا باللہ** کا ورد زیادہ سے زیادہ کرے۔ مختلف احادیث میں کلمہ **لا حول ولا قوۃ الا باللہ** کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ، جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اور جنت کا ایک پودا فرمایا گیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں: جو شخص **بسم اللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم.** دس مرتبہ پڑھے وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوا ہو۔ اس کلمہ سے بندے کو ستر بلاؤں سے نجات ملتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں: ''جو بندہ ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ اور ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر اور آخر میں **لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شیء قدیر** پڑھے تو اس کے لئے اجرِ عظیم ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے **ومن قال سبحان اللہ و بحمدہ فی یوم ماۃ مرۃ**

حطت خطایاہ ولو کان مثال زبد البحر (اور جس شخص نے ایک دن میں سو مرتبہ **سبحان اللہ وبحمدہ** پڑھا تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں چاہے وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں)۔ **(صحیح مسلم)**

صاحبِ ترمذیؒ بسندِ حضرت ابو وائلؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا' میں ایک غلام ہوں آزادی کی رقم مجھ سے ادا نہیں ہوسکتی۔ تنگ دستی میں آ گیا ہوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: ''میں تمہیں وہ دعا سکھاتا ہوں جو مجھے رسولِ کریم ﷺ نے بتلائی ہے' اگر تمہارا قرض اُحد پہاڑ جتنا بھی ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو ادا فرما دے گا''۔ پھر یہ دعا پڑھی۔ **اللّٰھم اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عمن سواک** "(اے اللہ! مجھے حرام سے بچا اپنے دیئے ہوئے حلال رزق کے ذریعے سے میری دستگیری فرما اور اپنے خاص فضل سے مجھے اپنے سوا ہر ایک سے بے نیاز کر دے)۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے بھی کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھ کر آہستہ سے (کہ وہ بندہ سن نہ سکے) یہ دعا مانگی تو وہ اس (بیماری) مصیبت سے محفوظ رہے گا۔ **الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک به وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا.** " اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے مجھے اس مصیبت سے محفوظ رکھا جس میں تم مبتلا ہوا اور اپنی بہت ساری مخلوقات پر مجھے فضیلت دی''۔

علامہ سخاویؒ بیان کرتے ہیں' میں قاری ابو بکر مجاہدؒ کے پاس تھا کہ حضرت ابو بکر شبلیؒ تشریف لائے' قاری ابو بکرؒ آپؒ کو دیکھ کر احتراماً کھڑے ہو گئے' آپؒ سے معانقہ کیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ میں نے عرض کیا: آپؒ نے شبلیؒ کے ساتھ ایسا کیوں

کیا جب کہ بغداد کے تمام علماء انہیں دیوانہ کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے وہی کیا جو میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو کرتے دیکھا۔ پھر اپنا ایک خواب سنایا: میں نے حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کی' شبلیؒ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ میرے استفسار پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''شبلیؒ ہر نماز کے بعد **"لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رء وف رحیم فان تولوا فقل حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیه توکلت وھو رب العرش العظیم** ۔ پڑھتا ہے''۔ اور اس کے بعد تین بار درودِ پاک صلی اللّٰہ علیک یا سیّدنا یا محمد پڑھتا ہے'' اس کے بعد ایک دن شیخ شبلیؒ میرے پاس آئے' میرے پوچھنے پر انہوں نے یہی عمل بتایا۔

حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز نے ایک کاروباری آدمی کو محبتِ الٰہی کے لئے ایک وظیفہ مرحمت فرمایا: سورۃ فاتحہ' آیت الکرسی اور سورۃ اخلاص سات سات مرتبہ' اوّل و آخر ایک ایک بار درود شریف' نماز فجر کی دو سنت سے پہلے اور نماز عصر کے بعد پڑھا کرو۔ اگر کاروباری مصروفیات میں چلتے پھرتے پڑھتے رہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

ایک روز حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز نے سفر کے دوران ایک خاص کیفیت میں ارشاد فرمایا: ''میری طرف سے ہر خاص و عام کو اس کلمہ کے ورد کی اجازت ہے' حاضرین اسے غائبین تک پہنچا دیں''. **سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیه..**

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے وہ ہمیں ان دعاؤں کو رضائے حق کی نیت سے مانگنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ **وماتوفیقی الا باللہ! آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ**

فضیلتِ مسبعاتِ عشر

"ولم اکن بد عائک ربّ شقیًا" (۱۹ : ۴)

'' اور اب تک ایسا نہیں ہوا' اے میرے ربّ کہ میں نے تجھے پکارا ہو اور میں نامراد رہا ہوں۔'' امام محمد ابن محمد الجزریؒ نقل کرتے ہیں: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کسی کو کوئی غم و پریشانی لاحق ہو تو اسے چاہیے کہ یہ کلمات پڑھے' اللہ عزوجل اس کے تمام غموں اور تکلیفوں کو دور کر دے گا اور اسے خوشی اور چین عطا کر دے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں۔

"اللھم انی عبدک وابن عبدک وابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی حکمک عدل فی قضائک اسالک بکل اسم ھو لک سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احدا من خلقک او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک ان تجعل القرآن ربیع قلبی و نور بصری وجلاء حزنی وذھاب ھمی". صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا'' یارسول اللہ صل اللہ علیک وسلم! ہم ان کلمات کو کیوں نہ سیکھ لیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:'' جو بھی یہ کلمات سنے اسے چاہیئے کہ وہ سیکھ لے''

صاحبِ'' قوت القلوب'' فرماتے ہیں: حضور ﷺ نے حضرت خضر علیہ السلام کو ایک ایسا وظیفہ بتایا جس کی فضیلت بیان سے باہر ہے' اس کا ورد کرنا ایک بڑی سعادت اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کی دلیل ہے۔ یہ ایک ایسا ورد ہے جو تمام دنیا پر حاوی ہے۔ امام ابو طالب محمد بن عطیہؒ '' قوت القلوب'' میں اس وِرد کو بالاسناد یوں روایت کرتے ہیں۔ حضرت سیدؒ حضرت زینؒ وبراء سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک بار انہیں حضرت کرزؒ نے بتایا کہ میں اللہ کی یاد میں محو بیٹھا تھا کہ میرا ایک شامی دوست میرے پاس آیا اور

کہنے لگا:' اے کرزؒ مجھ سے یہ تحفہ لے لو' یہ بہترین تحفہ ہے! میں نے پوچھا'' اے میرے بھائی! تجھے یہ تحفہ کس نے دیا؟۔ انہوں نے کہا مجھے یہ تحفہ ابراھیم تیمیؒ نے دیا۔ میں نے پھر پوچھا کیا تم نے ابراہیم تیمیؒ سے پوچھا کہ انہیں کس نے دیا؟ کہنے لگے ہاں! ابراہیمؒ نے مجھے بتایا۔'' میں حرمِ کعبہ میں ذکرِ الٰہی میں مشغول بیٹھا تھا کہ ایک آدمی میرے پاس آیا' سلام کہا اور میری دائیں طرف بیٹھ گیا۔ میں نے ایسا حسین وجمیل اور خوبصورت لباس والا شخص کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے پوچھا اے اللہ کے بندے! تُو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ وہ کہنے لگا' میں خضر ہوں' میں نے کہا'' میرے پاس کس مقصد سے آئے ہو؟ کہنے لگے '' میں تجھے سلام کرنے آیا ہوں' مجھے اللہ تعالیٰ کی خاطر تجھ سے محبت ہے' میرے پاس ایک تحفہ ہے وہ میں تمہیں دینا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا وہ تحفہ کیا ہے۔ کہنے لگے وہ تحفہ یہ ہے''۔ طلوع آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے (۱) سات بار سورہ فاتحہ پڑھو۔ (۲) سات بار **قل اعوذبرب الناس** آخرتک پڑھو (۳) سات بار **قل اعوذ برب الفلق** آخرتک پڑھو (۴) سات بار قل ھو اللہ احد آخرتک پڑھو۔ (۵) (سات بار **قل یاایھا الکافرون** آخرتک پڑھو۔ (۶) سات بار **آیت الکرسی** اور اس کے بعد کی دو آیات پڑھو۔ (۷) سات بار سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الااللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم پڑھ کر تین بار عددما علم اللّٰہ و وزنۃ ما علم اللّٰہ وملاما علم اللّٰہ پڑھے اور پھر صرف ایک بار تبرءت من حولی وقوتی والجات الی حول اللّٰہ وقوتہ فی جمیع اموری پڑھے۔ (۸) سات بار حضور ﷺ پر مندرجہ ذیل درود شریف پڑھو۔ اللّٰھم صل علیٰ محمد عبدک و نبیّک وحبیبک ورسولک النبی الامی و علیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلّم (۹)

اس کے بعد اپنے والدین' اہل وعیال تمام مومن مردوں' مؤمن عورتوں زندہ اور فوت شدہ مسلمانوں کے لئے استغفار کرو۔ استغفار کے کلمات یہ ہیں "**اللّٰھم اغفرلی ولوالدی وارحمھما کمار بیانی صغیراً واغفراللّٰھم لجمیع المومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والا موات برحمتک یا ارحم الراحمین** (سات بار)(۱۰) آخر میں سات بار یہ دعا پڑھو. **اللّٰھم یارب افعل بی وبھم عاجلاً و اجلاً فی الدّین والدنیا والاخرۃ ماانت له اھل ولا تفعل بنایا مولانا مانحن له اھل انک غفور حلیم جواد کریم ملک بررء وف رحیم** ۔ پھر چھ بار **اللّٰھم اھدنی برافتک یا نافع ومرافع توفنی مسلما و الحقنی بالصالحین** پڑھے اور اکیس بار پڑھے **یا جبّار**۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آپؒ کو تاکید فرمائی کہ ان اوراد کو صبح وشام پڑھنے میں کبھی غفلت نہ کرنا۔ آپؒ نے ان سے عرض کی آپ علیہ السلام کو یہ وظیفۂ خاص کس نے عنایت کیا۔ آپؑ نے بتایا'' مجھے حضور ﷺ نے عطا فرمایا''۔ میں نے آپؑ سے اس کے پڑھنے کا اجر پوچھا تو انہوں نے جواب دیا'' جب تم حضرت محمد ﷺ سے ملاقات کروگے تو اس کا ثواب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔''

مولانا عبدالمجید صدیقی ''سیرت النبیؐ بعداز وصال النبیؐ'' میں لکھتے ہیں: حضرؑ نے حضرت ابراہیم تیمیؒ کو ایک نسخہ اور بھی بتایا جس کے وِرد کرنے سے حضرت محمد ﷺ کی خواب میں زیارت نصیب ہوتی ہے۔ نسخہ یہ ہے۔

نماز مغرب سے عشاء تک نفل پڑھو' کسی سے کلام نہ کرو' نماز میں پوری توجہ ہو' ہر دو نفل کے بعد سلام پھیرو اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور تین بار سورۃ اخلاص پڑھو۔ نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے سیدھے مکان پر چلے آؤ اور کسی سے بات چیت نہ کی جائے۔ گھر پہنچ کر

دو رکعت نماز نفل پڑھو۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص سات بار پڑھو اور سلام پھیرنے کے بعد درود شریف اور کلمۂ تمجید (تیسرا کلمہ) سات سات بار پڑھو۔ اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھی جائے۔

"**یاحی یاقیوم یا ذاالجلال والاکرام یا اله الاولین یارحمن الدنیا والاخرۃ ورحیمھا یارب یا رب یارب یااللہ یااللہ یا اللہ**" پھر خوشبو لگائیں' صاف کپڑے پہنیں اور قبلہ رُو درود شریف پڑھتے ہوئے سوجائیں۔ پہلی شب زیارت ہو جائے فبہا ورنہ سات رات تک یہی عمل دہرائیں۔ امام غزالیؒ "احیاء العلوم" میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم تیمیؒ کو پہلی ہی رات زیارت نصیب ہوگئی۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے آئے اور سوار کر کے جنت میں لے گئے۔ وہاں انہوں نے محل دیکھے جو سرخ یاقوت اور سبز زمرد سے جڑے ہوئے تھے۔ شہد اور شراب کی نہریں بھی دیکھیں۔ ایک محل میں ایک خوبصورت دوشیزہ کو دیکھا جوان کی طرف دیکھ رہی تھی' اس کے چہرے کا نور سورج کی روشنی سے زیادہ تھا۔ اس کے گیسو محل سے زمین کی طرف لٹک رہے تھے۔ میں نے فرشتوں سے پوچھا یہ عورت اور محل کس کے لئے ہے۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ جو بھی تیرے عمل کی طرح عمل کرے' یہ محل اور یہ حُور اُس کے لئے مختص ہے۔ انہوں نے جنت کے پھل کھائے۔ اس کے بعد انہیں اس جگہ پہنچا دیا گیا جہاں وہ پہلے تھے۔ اتنے میں حضرت محمد ﷺ انبیاء علیھم السلام کے ہمراہ فرشتوں کی ۷۰ قطاروں کے ساتھ تشریف لائے۔ ہر قطار مشرق سے مغرب تک تھی۔ ابرہیم تیمیؒ فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم: حضرت خضر علیہ السلام نے یہ نسخۂ خاص (مسبعات عشر) مجھے عطا فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے میری بات سن کر فرمایا: حضرت خضر علیہ السلام نے سچ کہا'

وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں حق ہوتا ہے۔ وہ اہلِ زمین میں سب سے بڑے عالم ہیں‘ اللہ تعالیٰ کے لشکر میں سے ہیں‘ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم: ایسا عمل کرنیوالے کا کیا ثواب ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا جو کچھ تو نے دیکھا اور تجھے دکھایا گیا اس سے بڑھ کر اسے ثواب ملے گا۔ میں نے پھر عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیک وسلم: جو آدمی یہ عمل کرے مگر میری طرح خواب میں اس پر ملنے والے انعامات نہ دیکھے تو کیا اسے بھی یہ انعامات ملیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق دے کر معبوث فرمایا‘ جو آدمی مجھے نہ دیکھے اور نہ جنت دیکھ سکے اسے بھی اس عمل پر یہ اجر ملے گا اور اس کے تمام کبیرہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اپنا غضب اٹھا لے گا اور اس وظیفہ کو وہی پڑھے گا جسے اللہ تعالیٰ نے خوش بخت پیدا فرمایا‘ کہا جاتا ہے کہ اس خواب کے بعد حضرت ابراہیم تیمیؒ نے چار ماہ تک کچھ کھایا نہ پیا۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں صالحین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین وخاتم النبییّن ﷺ

وماتوفیقی الاباللہ.

عجائباتِ قلبِ انسانی

اس کائنات میں حضرتِ انسان کا وجود بہت سے اسرار و رموز سے وابستہ ہے۔ اللہ نے آدمؑ کو ’’**مباشرت بالیدین**‘‘ کا شرف عطا کیا۔ اور ’’**لقد کرمنا بنی آدم**‘‘ کہہ کر اس کے اشرف المخلوقات ہونے پر مہر لگا دی۔ انسان کیا ہے؟۔ روح اور بدن یا تن اور نفس کا امتزاج۔ ان میں سے ہر ایک کے اپنے اپنے خواص ہیں۔ انسانی بدن میں قلب یعنی دل سب سے زیادہ اہم جزو ہے۔ صوفیائے عظام نے عشق میں اسے مرکزی حیثیت دی ہے۔ قلبِ حقیقی گوشت کا وہ لوتھڑا نہیں جو انسان کے سینے میں بائیں جانب دھڑک رہا ہے‘ بلکہ یہ ایک لطیفۂ روحانی ہے جس کا تعلق قلبِ جسمانی سے ہے اور یہی قلب پورے جسم کا حکمران ہے۔

حضرت امام غزالیؒ نے اپنی مشہور کتاب ’’**احیاء العلوم**‘‘ میں عجائباتِ قلب پر تفصیلی بحث کی ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں: ’’قلب کے دو لشکر ہیں ایک وہ جو ظاہری آنکھ سے محسوس ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو چشمِ باطن سے دیکھا جا سکتا ہے یہ دونوں قلب کے لئے بمنزلہ خادم اور مددگار ہیں۔ پس وہ لشکر جو ظاہری آنکھ سے دکھائی دیتا ہے اس میں ہاتھ پاؤں‘ زبان‘ آنکھ‘ کان‘ ناک اور تمام اعضاء شامل ہیں جو سب کے سب دل کے خادم اور مسخر ہیں‘ وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے۔ یہ تمام اعضاء اس کی اطاعت کے لئے بنے ہیں۔ اس سے انحراف کرنا ان کی قدرت سے باہر ہے‘‘۔

قلب کے لغوی معنی:۔ حضرت امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں: ’’**قلب الشی**‘‘ کے معنی کسی چیز کو گھیرنے اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹنے کے ہیں۔ چونکہ

دل ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹتا رہتا ہے' اس لئے اس کو ''قلب'' کہتے ہیں۔اس پلٹنے کا سبب یا تو تجلی ءالٰہی ہوتی ہے یا پھر کسی صاحبِ نظر کی چشمِ التفات! بعض اوقات ایک انسان جو فسق و فجور کی انتہا کو پہنچا ہو' کسی خاص واقعہ کے زیرِ اثر' یا جب کوئی بات اس کے دل پر اثر کر جائے تو چند لمحوں میں اس کی کایا پلٹ جاتی ہے' وہ سفلی مقام سے اعلیٰ علیین کی طرف رجوع کر لیتا ہے۔حضرت سیدّ نا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جب بچپن میں تحصیلِ علوم کے لئے بغداد روانہ ہوئے تو راستے میں ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے گھیر لیا۔ڈاکو قافلے والوں کو لوٹ رہے تھے کہ ناگاہ ایک ڈاکو کی نظر حضرت غوث اعظمؓ پر پڑی' پوچھا' لڑکے! تیرے پاس بھی کچھ ہے؟ آپؓ نے فرمایا: ''ہاں! چالیس دینار ہیں۔'' ڈاکو کو یقین نہ آیا وہ چھوڑ کر چلا گیا۔تھوڑی دیر بعد ایک دوسرے ڈاکو نے بھی آ کر یہی سوال کیا اور وہی جواب سن کر اپنے سردار سے اس کا ذکر کیا۔سردار نے آپؓ کو بلوا کر پوچھا تو آپؓ نے اس کو بھی سچ سچ بتا دیا۔چنانچہ پیراہن چاک کرنے پر چالیس دینار برآمد ہوئے۔ڈاکوؤں کا سردار احمد بدوی ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا' کبھی دیناروں کو دیکھتا' کبھی روشن چہرے والے لڑکے کو۔پھر جانے کیا ہوا کہ آپؓ نے بھی اپنی نگاہیں ڈاکو کے چہرے پر گاڑ دیں۔ڈاکو معصوم نگاہوں کی تاب نہ لا سکا' کہنے لگا: ''تمہیں معلوم ہے' ہم رہزن ہیں اور مسافروں کا مال لوٹتے ہیں' پھر تم نے ان دیناروں کا بھید ہم پر کیوں ظاہر کیا جن کو تم آسانی سے چھپا سکتے تھے''۔آنجنابؓ نے جواب دیا: ''میں نے وقتِ رخصت اپنی ضعیف والدہ سے ہمیشہ سچ بولنے کا وعدہ کیا تھا اس لئے چالیس دیناروں کی خاطر وعدہ خلافی کیوں کرتا؟'' سردار پر رقت طاری ہو گئی اور اس کی حالت بدل گئی' وہ بہت رویا اور کہنے لگا: ''اے بچے! تجھے اپنی ماں کے ساتھ عہد کا اتنا پاس ہے اور ہلاکت ہے میرے لئے جو اتنے سالوں سے اپنے

خالق کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو پسِ پشت ڈالے ہوئے ہوں''۔یہ کہہ کر وہ اٹھا اور آپؓ کے ہاتھ پر توبہ کی۔اس کے ساتھیوں نے بھی اس کی تقلید کی اور کہا ڈاکہ زنی میں تو ہمارا سردار تھا تو توبہ میں بھی ہمارا قائد بن۔یوں مال لوٹنے والے خود دل لٹا بیٹھے اور ایسے لٹے کہ دین و دنیا کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔تمام لوٹا ہوا مال اہلِ قافلہ کو واپس کر دیا گیا۔صاحبِ **''بہجۃ الاسرار''** لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس تائب گروہ کو **واصلین باللہ** میں سے کیا۔

ائمہ ءطریقت میں حضرت فضیلؒ بن عیاض ایک بلند پایہ بزرگ ہیں۔حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ نے انہیں واصلینِ حق کا سردار اور مقربینِ بارگاہ کا بادشاہ قرار دیا ہے۔فقراء میں آپؒ کو بلند مرتبہ حاصل تھا۔ان کے متعلق حضرت داتا صاحبؒ رقمطراز ہیں: ''آپؒ ابتدائے عمر میں جرائم پیشہ آدمی تھے' مرو اور ماورد کے درمیان راہزنی کیا کرتے۔اس کے باوجود آپؒ کی طبیعت ہر وقت مائل بہ اصلاح رہتی۔جس قافلہ میں کوئی عورت ہوتی اس کے قریب تک نہ جاتے۔ہر شخص کے پاس کچھ نہ کچھ مال ضرور چھوڑ دیتے تھے۔آپؒ کی توبہ کا واقعہ بڑا عجیب ہے۔ایک سوداگر مرو سے ماورد جا رہا تھا' مرو کے لوگوں نے اس سوداگر سے کہا آپ کے لئے مناسب رہے گا کہ ایک سرکاری حفاظتی دستہ ساتھ لے کر چلیں کیونکہ راستہ میں فضیل بن عیاض نامی شخص ڈاکہ زنی کرتا ہے۔سوداگر نے جواب دیا' میں نے سنا ہے کہ وہ رحم دل اور خدا ترس آدمی ہے۔سوداگر نے حفاظتی دستہ کی بجائے ایک خوش آواز قاری کو ساتھ لیا اور اسے اونٹ پر بٹھا کر روانہ ہو گیا۔قاری راستہ میں دن رات تلاوت کرتا رہا یہاں تک کہ قافلہ اس مقام تک پہنچ گیا جہاں ڈاکو گھات لگائے بیٹھے تھے۔رات کا پچھلا پہر تھا' ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔حسنِ اتفاق سے قاری اس وقت

یہ آیت تلاوت کر رہا تھا۔ **الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ و ما نزل من الحق** ۔(کیا ابھی اہل ایمان کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل یادِ الٰہی اور اللہ کے نازل کئے ہوئے سچے کلام کے لئے جھک جائیں)(**الحدید: ۱۶**) فضیل بن عیاضؒ نے جب یہ سنا تو ان کے دل کی کایا پلٹ گئی۔فضیلؒ کے دل پر فضل خدا نے غلبہ پایا اور کہنے لگے: ''ہاں اب وہ وقت آ گیا ہے''۔انہوں نے اسی وقت توبہ کرلی۔جن جن کے مال لوٹے تھے ان سب کو راضی کیا۔اس کے بعد مکہ مکرمہ گئے اور عرصہ تک وہاں مقیم رہ کر مقاماتِ بلند حاصل کئے۔

دل کا زنگ آلود ہونا:۔جو لوگ اپنی اس زندگی میں گناہ درگناہ کرتے چلے جاتے ہیں، ان کے دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ایسے دلوں پر شیطان اور نفس کی فرمانروائی ہو جاتی ہے۔وہاں حرص وطلب، خواہشاتِ نفسانی اور دیگر رذائل شدت سے غلبہ پاتے ہیں۔اس طرح آہستہ آہستہ انسان کا خدا سے رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔اس کیفیت کا نقشہ قرآن پاک نے یوں کھینچا ہے: ''**کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون** (ایسی بات نہیں بلکہ ان کے دل ان کے کرتوتوں کے سبب زنگ آلود ہو گئے ہیں)۔آنحضورؐ کا فرمان ہے: '' گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو نہ چاہے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں''۔ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے: ''جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے جو توبہ کرنے سے مٹ جاتا ہے، مگر مزید گناہ کرنے سے بڑھتا جاتا ہے'' گناہ کا اثر انسان کے قلب و باطن کو بے قرار و مضطرب کر دیتا ہے اور جب ان افعال میں اصرار پیدا ہوتا ہے تو یہ زنگ دل پر اس قدر چھا جاتا ہے کہ ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔پھر اس کا حال یہ ہوتا ہے کوئی بُری بات بُری نہیں لگتی۔بالآخر اس کا دل نورِ خدا اور محبتِ الٰہی کی روشنی

سے محروم ہو جاتا ہے۔یہی وہ ''**ران**'' ہے جس کا قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

دلوں پر مہر:۔شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ المکیؒ راقم ہیں: ''اللہ اور بندوں کے درمیان ایک حد ہوتی ہے، جب بندہ اپنے گناہوں کے سبب اس حد کو عبور کر لے تو اس کے دل پر ''مہر'' لگا دی جاتی ہے۔اس کے بعد اس میں بھلائی کی توفیق نہیں رہتی۔''**سورۃ توبہ**'' میں ارشاد ہوتا ہے: **وطبع اللّٰہ علی قلوبھم فھم لا یعلمون** ۔(اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، پس وہ کچھ نہیں جانتے)۔اسی طرح ''**سورۃ مومن**'' میں کہا گیا ہے **کذالک یطبع اللہ علی کل قلب متکبر جبار** (اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور سرکش کے پورے دل پر مہر لگا دیتا ہے)۔جن لوگوں کے سارے دلوں پر مہر لگ جائے وہ کسی حالت میں بھی ہدایتِ حق کے لائق نہیں رہتے۔ان کے دلوں میں حق و باطل کی تمیز کرنے کی صلاحیت سلب ہو جاتی ہے۔ان کی آنکھیں اور کان دیکھتے اور سنتے ہیں مگر نصیحت قبول نہیں کرتے۔

ہدایتِ قرآن بھی اسی شخص پر اثر کرتی ہے جو ہدایت لینا چاہے۔جس کا دل زنگ آلود ہو چکا ہو اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا تاوقتیکہ زنگ دور نہ ہو۔اس حقیقت کو اس تمثیل سے سمجھا جا سکتا ہے کہ بارش رحمتِ خداوندی ہے، بارش کے قطروں میں کوئی فرق نہیں مگر اثر مختلف ہوتا ہے۔اگر زمین صاف ستھری، زرخیز اور تیار ہو اور اس میں صحت مند بیج بو دیا جائے تو بارش اس زمین سے سبزہ اور فصل اگاتی ہے، اسے تروتازگی ملتی ہے۔اگر جگہ بنجر ہو یا وہاں غلاظت کے ڈھیر ہوں تو وہاں بارش کا وہی قطرہ بے اثر ہوتا ہے یا اگر اس مقام سے کچھ پیدا ہوگا تو وہ بدبودار اور غلیظ پودا ہی ہوگا۔دانائے شیرازیؒ فرماتے ہیں:۔

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
درباغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

(گلستان)

اسی طرح اگر کسی کے دل میں حرص ولالچ، کبر ونخوت، پندارِ جاہ ومنصب اور بغض و حسد چھا جائیں تو وہاں بھی یہی کیفیت ہوگی۔اس دل کو طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہوں گی۔اس حقیقت کو قرآن نے ''سورۃ الاعراف'' میں یوں بیان فرمایا: **واتل علیهم نبا الذی اتینه ایتنا فانسلخ منها فاتبعه الشیطن فکان من الغوین. ولو شئنا لرفعنٰه بها ولکنه اخلد الی الارض واتبع هواه فمثله کمثل الکلب، ان تحمل علیه یلهث او تتر که یلهث ذلک مثل القوم الذین کذبوا بایتنا فاقصص القصص لعلهم یتفکرون**۔(سورۃ الاعراف)(اے محبوب! ان کے سامنے اس کا (یعنی بلعم باعور) حال بیان فرمایئے جسے ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا، مگر وہ (ان کا اتباع نہ کرکے) ان سے بھاگ نکلا۔(آخرکار) شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور وہ بھٹکنے والوں میں شامل ہو کر رہا۔اگر ہم چاہتے تو اسے ان (آیتوں کے ذریعے) سے بلندی عطا کرتے لیکن (دنیا پر فریفتہ ہوا اور) وہ تو زمین کی پستی سے چمٹتا چلا گیا اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا رہا۔اس کی مثال اس کتے جیسی ہے کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تب بھی زبان لٹکائے رکھے اور اسے چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے رکھے گا۔یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔(آپؐ) ان سے یہ قصے بیان فرماتے جائیں شاید کبھی یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں)۔جس شخص کے دل کی دنیا ویران ہو جائے تو

آیاتِ قرآنی بھی اسے کچھ فائدہ نہیں دے پاتیں۔بالآخر ذلت ورسوائی میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے کرم سے ہمارے دلوں کو اپنی طرف متوجہ رکھے۔

آمین بجق سیّد المرسلین ﷺ

قلبِ اِنسانی مرکزِ عشق

قلب پر گناہوں کے مذموم اثرات: ۔حضرت امام حسن بصریؒ کے نزدیک قرآن کی اس آیت" **کلابل ران علی قلو بھم ما کانوا یکسبون**' کا مطلب یہ ہے کہ بندہ پے در پے گناہ کرتا رہا تا آنکہ اس کا قلب اندھا ہو کر رہ گیا۔ گناہوں کی کثرت کے باعث قلبِ انسان اور خدا کے درمیان ایک دوری پیدا ہو جاتی ہے۔ دوری کے باعث وحشت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ یہ وحشت اس قدر خطرناک ہوتی ہے کہ دنیا و مافیہا کی ساری لذتیں بھی اسے میسر آ جائیں تو وہ بے کیف ہی رہتا ہے۔ امام ابن قیم جوزی فرماتے ہیں: کسی شخص نے اپنے شیخ کے سامنے وحشتِ قلبی کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا: '' گناہوں کے باعث تم وحشت میں مبتلا ہو گئے ہو' گناہوں کو ترک کردو تمہیں سکون و اطمیان حاصل ہوگا''۔ معصیت سے قلب اور بدن بزدل اور کمزور ہو جاتا ہے۔ مومن کا قلب قوی اور مضبوط ہو تو اس کا جسم بھی قوی اور مضبوط ہوتا ہے۔ اس بات کی تائید میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:'' **ان للحسنة ضیاء فی الوجه و نور فی القلب وسعة فی الرزق و قوة للبدن و مجة فی قلوب الخلق وان للسیئة سوادفی الوجه و ظلمة فی القبروالقلب ووھنا فی البدن و نقصا فی الرزق و بغض فی قلوب الخلق**'' (یعنی نیکی سے چہرے پر روشنی ہوتی ہے' قلب میں نور' رزق میں فراخی' بدن میں قوت اور مخلوق کے دلوں میں محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب کہ گناہ سے چہرے پر سیاہی یعنی بے رونقی چھا جاتی ہے' قبر اور دل میں ظلمت اور تاریکی پیدا ہو جاتی ہے' جسم میں کمزوری آتی ہے اور رزق میں برکت اٹھ جاتی ہے۔ اور مخلوق کے دلوں میں

اس شخص کے لئے نفرت پیدا ہو جاتی ہے)۔

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں:'' دل مردہ بھی ہوتا ہے اور زندہ بھی' جب دل دنیاوی لذتوں اور شہوتوں' ماکولات اور مشروبات میں مشغول ہو جاتا ہے تو غفلت کا اس پر اثر ہوتا ہے اور خواہش اس پر غالب آتی ہے۔ ہر طرف سے خطرات آنے شروع ہو جاتے ہیں' جو دل کو سیاہ کرتے ہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ کا اندیشہ دل کو سیاہ نہیں کرتا۔ جب دل سیاہ ہو جاتا ہے تو گویا مردہ ہو جاتا ہے۔ وہ نیکی کا بیج قبول نہیں کرتا جس طرح کہتے ہیں کہ یہ زمین مردہ ہے اسی طرح جس دل سے ذکرِ الٰہی اٹھ جائے وہ بھی مردہ ہو جاتا ہے۔

(اسرار الاولیاء)

مضطرب دل کا اضطرار: جب انسان کا دل بہت زیادہ مضطرب اور مغموم ہو جائے تو اس وقت اس کے دل سے جو دعا نکلتی ہے وہ عرشِ بریں تک جا پہنچتی ہے۔ ایسی دعا جس میں اضطراب اور بے قراری موجود ہو اللہ تعالیٰ کے حضور فوراً مستجاب ہوتی ہے۔ سورۃ النحل میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:''**امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء** ۔(یعنی بھلا کون سنتا ہے ایک بے قرار دل کی فریاد جب وہ اسے پکارتا ہے اور برائی کو دور کرتا ہے) حضرت جابرؓ رسول اللہؐ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک (بے بس و بے چین) بندہ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس (شکستہ دل بندے) کی دعا اللہ تعالیٰ کو اس قدر محبوب ہوتی ہے کہ وہ جبریلؑ کو حکم دیتا ہے کہ اس بندے کی قضائے حاجت میں تاخیر کر کیونکہ میں اس بندے کی پکار سننا پسند کرتا ہوں''۔

کتنا خوش نصیب ہے وہ شخص جو بظاہر شکستہ دل' پریشان حال اور بے قرار ہے مگر اللہ تعالیٰ کو اس کی پکار اتنی محبوب ہے کہ وہ بار بار اس کو سننا چاہتا ہے۔ علامہ اقبالؒ اس

حدیثِ پاک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ شکستہ دلوں میں پائے جاتے ہیں، کہتے ہیں:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

علامہؒ ایک اور مقام پر اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تک یہ دل زخم خوردہ نہ ہو اس وقت تک اس دل سے آہ و فغاں اور فریاد نہیں نکلتی۔ درحقیقت یہی فریاد حصولِ مقصد کے لئے تریاق کا درجہ رکھتی ہیں۔

شام جس کی آشنائے نالۂ یاربّ نہیں
جلوہ پیرا جس کی شب میں اشک کے کوکب نہیں
جس کا جامِ دل شکستِ غم سے ہے نا آشنا
جو سدا مستِ شرابِ عیش و عشرت ہی رہا
ہاتھ جس گلچیں کا ہے محفوظ نوکِ خار سے
عشق جس کا بے خبر ہے ہجر کے آزار سے
کلفتِ غم جس کے روز و شب سے رہتی دور ہے
زندگی کا راز اس کی آنکھ سے مستور ہے
اے کہ نظمِ دہر کا ادراک ہے حاصل تجھے
کیوں نہ آساں ہو غم و اندوہ کی منزل تجھے

زنگ آلود دلوں کی صفائی: ۔آنحضورﷺ نے زنگ آلود دلوں کو پاک کرنے کا نسخہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: **ان هذه القلوب تلدء كمايلدء الحديد**

فاجلوها بذكر الله ۔(بے شک یہ دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں جس طرح لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے۔ لہٰذا تم اس کے زنگ کو اللہ کے ذکر سے صاف کرو)۔ جس طرح زنگ آلود لوہے کو مسلسل رگڑنے سے اُس کو صیقل کیا جاتا ہے اس طرح ذکر اللہ کی کثرت انسانی دل کو پاک اور صیقل کر دیتی ہے۔

حضرت مولانا رومؒ نے شیطان اور نفس کی پیدا کردہ بیماریوں کا علاج کسی ولی اللہ کی صحبت اختیار کرنے کو قرار دیا ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں:

نفس را نہ کشد بغیر از ظلِّ پیر
دامنِ آں نفس کُش محکم بگیر

(پیر کے سائے کے بغیر نفس نہیں مر سکتا، اس لئے نفس کو مارنے والے مرشد کا دامن مضبوطی سے پکڑ لو۔) بلاشبہ اللہ کے محبوب بندوں کا تعلق ہر وقت اپنے محبوب سے قائم رہتا ہے۔ خلوت و جلوت ہر جگہ انہیں یادِ خداوندی تڑپائے رکھتی ہے اور اسی تڑپ سے ان کے دل اطمینان پاتے ہیں۔ قلت:

اوہدی جلن اوہدی تڑپ دل ٹھار دیندی اے
تڑپو محبو اُس مٹھل من ٹھار واسطے

چنانچہ اگر ایسے لوگوں کا دامن تھام لیا جائے تو ان زنگ آلود دلوں میں بھی وہی عشقِ الٰہی کی آگ بھڑک اٹھے گی جو ان اولیاء میں پائی جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اس حقیقت کو بڑا واضح انداز میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں

ہر قوم کے لئے انبیائے کرام مبعوث فرمائے ہیں صرف کتابوں پر اکتفا نہیں کیا۔علامہؒ فرماتے ہیں:

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر
علم وحکمت از کتب' دیں از نظر

اے بے خبر! دین کو کتابوں میں تلاش نہ کر' علم وحکمت تو کتابوں میں ہے مگر دین نظر سے ملتا ہے۔

صحبت از علمِ کتابی خوشتر است
صحبتِ مردانِ حُر آدم گر است

اہلِ نظر کی صحبت آدمی کو صحیح معنوں میں آدمی بناتی ہے۔صحبت' کتابی علم سے بہتر ہے' سیم وزر کی قید وبند سے آزاد بندوں کی صحبت آدم گری کرتی ہے۔

مولانا رومؒ نے مثنوی معنوی میں فلسفۂ عشق کے حوالے سے قلب کو مرکز قرار دیا ہے۔مولانا رومؒ کے نزدیک تخمِ دل کی کاشت کے لئے اولیاء اللہ کی نظر کی ضرورت ہے تاکہ اس کھیت سے طرح طرح کی پیداوار یعنی تقویٰ' اخلاقِ حسنہ وغیرہ حاصل کی جاسکے۔قلب کے مرکز وآماجگاہ ہونے کے باب میں ''**سورۃ النور**'' میں ایک جامع آیت ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''**اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یو قدمن شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتھا یضیء ولولم تمسسہ نار نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء ویضرب اللہ الا مثال للناس واللہ بکل شئ**

علیم. (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق میں چراغ ہو' چراغ ایک فانوس میں ہو' وہ فانوس گویا موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا ہے' وہ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی اور قریب ہے کہ اس کا تیل خود ہی بھڑک اٹھے' چاہے اس کو آگ دکھائی جائے یا نہیں۔نور پر نور ہے' اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی راہ دکھاتا ہے۔اور اللہ لوگوں (کو سمجھانے) کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے اللہ کو ہر چیز کا پورا پورا علم ہے)۔

امام خازنؒ 'علامہ ابنِ کثیرؒ اور علامہ زمخشریؒ نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ یہاں اللہ نے اپنے نور کی مثال مومن کے قلب سے دی ہے۔اس بات کی مؤید ایک حدیثِ قدسی بھی ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قلبِ مومن ہی وہ مقدس مقام ہے جہاں ذاتِ باری تعالیٰ اپنے انوار وتجلیات کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔آنجناب ﷺ نے فرمایا: حق تعالیٰ کا ارشاد ہے'' **لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن.** ''یعنی میں زمین وآسمان کی وسعتوں میں نہیں سما سکتا لیکن اپنے بندۂ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔

قبلۂ عالم حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہؒ نے بھی غافل اور زنگ آلود دل کو بیدار کرنے اور پاک وصاف کرنے کا نسخہ یادِ الٰہی کو ٹھہرایا ہے۔ملفوظات میں ایک مقام پر آپؒ فرماتے ہیں: ''وسواس کے خناس نے اپنا منہ غافل آدمی کے گرد اگرد کھول رکھا ہے' اس کا کوئی دروازہ نہیں چھوڑتا' جب کوئی شخص بوجہ سعادتِ ازلی یادِ حق میں مشغول ہو جاتا ہے تو خناس یعنی شیطان کا منہ تدریجاً یادِ الٰہی کی برکت سے اکھڑ جاتا ہے حتیٰ کہ وہ شخص رفتہ رفتہ **الا بذکر اللہ تطمئن** القلوب کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے اور اس کی سب تشویشات رفع ہو جاتی ہیں''۔

دل کے آئینے کو رکھو صاف و پاک زندگی ہو گی تمہاری تابناک

اے برادر دامنِ مرشد نہ چھوڑ — دیکھ اہلِ حق سے ہرگز منہ نہ موڑ
رحمتِ حق پاؤ گے ان کے طفیل — نزدِ اللہ جاؤ گے ان کے طفیل

دل کا تزکیہ وتصفیہ:۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ ”**کشف المحجوب**“ میں فرماتے ہیں:
السکون حرام علی قلوب اولیاء اللّٰہ (اللہ کے دوستوں کے دلوں پر سکون حرام ہے) دنیا میں ان کا اضطراب طلبِ جمال کے لئے رہتا ہے اور آخرت میں ان کا اضطراب طربِ بے کیف کے لئے ہوتا ہے۔ مجنوں اگرچہ عشقِ مجازی میں مبتلا تھا مگر وہ بھی کچھ ایسی ہی کیفیت سے دوچار تھا۔

عجب دوگونہ عذاب است جانِ مجنوں را
بلائے فرقتِ لیلیٰ و قربتِ لیلیٰ

(مجنوں کے دل کو دوطرفہ رنج وعذاب ہے۔ فرقتِ لیلیٰ اور قربتِ لیلیٰ دونوں بلا ہیں جدائی میں فرقت کا رنج وغم اور صحبتِ لیلیٰ میں دوبارہ جدا ہونے کا اندیشہ) درحقیقت ہجر ووصال دونوں کی اپنی اپنی مشکلات ہیں۔

آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: **ان اللہ تعالیٰ یحب کل قلب حزین** (اللہ ہر غم زدہ دل کو پسند کرتا ہے)۔ حضور سرورِ کائنات ﷺ کے بارے میں صحابہء کرام فرماتے ہیں: ”**کان رسول اللہ ﷺ متواصل الحزن دائم الفکر** (رسول اللہ ﷺ ہمیشہ غمگین اور متفکر رہا کرتے تھے)۔ اگر ان احادیثِ مبارکہ میں غور کیا جائے تو ایک نہایت اہم نکتہ سامنے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غم زدہ دل کو پسند کرتا ہے۔ حدیثِ پاک میں آنجناب ﷺ نے اس امر کی وضاحت یوں فرمائی ہے: ”جب کوئی شخص اللہ سے محبت کرتا ہے تو غم اس کی طرف اس طرح آتے ہیں جیسے پانی نیچی جگہ کی طرف آتا ہے“۔

مکتوباتِ حضرت مجددِ الفِ ثانی میں مرقوم ہے کہ ”جو شخص اللہ کی محبت کو دل میں سجا لیتا ہے تو پھر غم اور مصیبتیں اس کی زندگی کا ایک حصہ بن جاتی ہیں اور اس کیفیت سے وہ لذت حاصل کرتا ہے“۔

ان ارشاداتِ عالیہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے جس شخص کے دل میں محبتِ الٰہی سما جائے، مسلسل غم اس دل کی غذا بن جاتا ہے۔ یہ غم دنیاوی آسائشوں کا نہیں ہوتا بلکہ قربِ الٰہی کی آرزو کا ہوتا ہے۔

وسعتِ دل: اللہ نے اپنے نور کی مثال مومن کے قلب سے دی ہے۔ اس بات کی مؤید ایک حدیثِ قدسی بھی ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قلبِ مومن ہی وہ مقدس مقام ہے جہاں ذاتِ باری تعالیٰ اپنے انوار وتجلیات کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بندۂ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کے نور سے منوّر ہو جاتا ہے تو اس میں بے انتہا وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس نورِ بصیرت کے باعث ساری کائنات اسے رائی کے دانے کے برابر نظر آتی ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:

نظرت الی بلاد اللہ جمعاً
کخردلة علی حکم اتصال

(جب میں نے اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں کی طرف نظر ڈالی تو وہ سب مل کر مجھے رائی کے ایک دانے کے برابر نظر آئے)۔

حرمتِ خانہء کعبہ وقلبِ مومن: رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں ” **المومن افضل**

عند اللہ من الکعبہ والمومن اطیب واطھرو اکرم عند اللہ من الملائکۃ

(مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک خانہء کعبہ سے افضل ہے اور مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں فرشتوں سے بھی زیادہ پاک صاف اور عزت والا ہے)۔

ایک مرتبہ حضور نبی ءکریم ﷺ اپنے اصحاب کے ہمراہ خانہ کعبہ کے سائے میں بیٹھنے لگے۔ صحابہء کرام آپس میں خانہء کعبہ کی تعظیم وحرمت کی بات کر رہے تھے۔ آپؐ نے اس وقت خانہء کعبہ کی طرف منہ کر کے فرمایا: ''اے کعبہ تو بے شک حرمت اور عزت کا گھر ہے لیکن ایک مومن کا دل تجھ سے ہزار درجے بہتر ہے۔'' مولانا رومؒ اس موضوع پر یوں ارشاد فرماتے ہیں:

دل بدست آور کہ حج اکبر است　　　از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

کعبہ بنگاہِ خلیلِ آزر است　　　دل گزرگاہِ جلیلِ اکبر است

(کسی کے دل کو جیت کہ یہ حج اکبر ہے، ہزاروں کعبوں سے ایک دل بہتر ہے۔ کعبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، جو آذر بت پرست کے بھتیجے تھے، کا تعمیر کردہ مکان ہے۔ جب کہ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی ہر وقت کی گزرگاہ یعنی مسکن ہے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

مسجد ڈھادے مندر ڈھادے ڈھادے جو کجھ ڈھیندا

پر کسے دا دل نہ ڈھاویں ربّ دلاں وچ رہندا

آنحضورؐ کے خصائل پسندیدہ میں تالیفِ قلوب کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ آپؐ کی تعلیمات اور سنتِ مطہرہ پر عمل کرتے ہوئے صلحائے اُمت نے بھی ہمیشہ دکھی دلوں کی

ہمدردی اور غم گساری سے دلوں کو فتح کر کے اُن میں اسلام کی شمع روشن کی ہے۔ درحقیقت دُنیا بھر میں اسلام کی تبلیغ کا بہترین ذریعہ دل جیتنا ہی رہا ہے۔ اللہ کے حضور ذاکر، شاغل اور محبت والفت سے لبریز دل کی بے حد اہمیت ہے۔ اسی لئے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمارے دلوں کو اپنے ذکر اور عشق کی دولت سے مالا مال فرمادے۔

آمین بجاہِ ختم المرسلین ﷺ

خلوصِ نیت

سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ ہمارے لئے رشد و ہدایت کا ایک ابدی سرچشمہ ہیں۔آپؐ کی احادیثِ مبارکہ ہمیں زندگی کی اصلاح اور پاک وصاف افعال کا راستہ دکھاتی ہیں۔چنانچہ نیت و ارادہ کے حوالے سے ارشادِ نبوی ﷺ ہے: **انما الاعمال بالنیّات** (بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)۔اس سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں: صدقِ نیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل ترین اعمال میں شامل ہے۔اس حقیقت سے آگاہی نہایت ضروری ہے کہ تمام اعمال کی روحِ رواں نیت ہے اور احکام کا اطلاق بھی اسی پر ہوتا ہے۔بندے کے اعمال میں جو چیز رب تعالیٰ کے پیشِ نظر رہتی ہے وہ عمل کرنے والے کی نیت ہی ہوتی ہے۔آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی نظر تمہارے اعمال اور صورت پر نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف تمہارے دل اور ارادے کو دیکھتا ہے''۔ایک بندۂ مومن کے لئے یہ بات نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ وہ حسنِ نیت رکھے یہاں تک کہ کھانے' پینے' لباس' نکاح اور دیگر امور میں بھی اس کی نیت ہو کہ بارگاہِ ایزدی میں ان تمام اعمال کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا۔ اگر یہ اعمال خالصتاً فی سبیل اللہ ہوئے تو اس کے نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے اور اگر یہ اس کی ذاتی خواہشات کی بنا پر ہوئے تو کوئی اجر نہیں ملے گا۔حضرت سالمؒ بن عبداللہؓ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ''اے عمرؒ! یاد رکھو اللہ تعالیٰ بندے کی نیت کی نسبت سے اس کا مددگار ہے' جس کی نیت کامل ہوگی اس کے لئے اللہ کی مدد بھی کامل ہوگی اور جس کی نیت ناقص ہوگی اس کے لئے اللہ کی مدد بھی کم ہوگی''۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **'' نیة المومن خیر من عمله''** (مومن

کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے)۔اس حدیثِ پاک کی تشریح میں امام غزالیؒ لکھتے ہیں: ''اس سے حضور ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ نیتِ بے عمل کو عملِ بے نیت پر برتری حاصل ہے کیونکہ یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ عمل بغیر نیت کے عبادت نہیں ہے' جب کہ نیت بغیر عمل کے بھی عبادت میں شامل ہے''۔اس کے تشریحی معنی یہ ہیں کہ عبادت تن سے ہوتی ہے اور نیت دل سے کی جاتی ہے۔اگرچہ یہ انسانی شخصیت کے دو اجزاء ہیں لیکن ان میں سے بہتر اور افضل وہی ہے جس کا تعلق دل کے ساتھ ہو اور وہ نیت ہے۔انسان کی عبادت کا مقصود ہو کہ دل کی صفت تبدیل ہو جائے۔بعض لوگوں کا یہ خیال کہ ''نیت عمل کے لئے کی جاتی ہے'' درست نہیں۔اس کی حقیقی صورت یہ ہے کہ عمل نیت کے لئے ہونا چاہئے۔پس اس تمام کوشش سے مقصود فقط دل کا پھر جانا ہے۔سجدہ کرنے سے مقصود پیشانی کی گردش نہیں بلکہ گردشِ دل یعنی دل کا بدل جانا ہے تاکہ اس دل سے تکبر اور گھمنڈ دور ہو کر عاجزی و انکساری پیدا ہو۔حج کے موقع پر کنکریاں پھینکنے سے یہ مقصد نہیں کہ پتھروں کا ڈھیر ایک جگہ اکٹھا کر دیا جائے بلکہ گردشِ دل ہے کہ وہ بے راہ روی کو چھوڑ کر اطاعت و بندگی کی طرف مڑ جائے۔رسول اللہ ﷺ نے دل کی مثال بادشاہ سے دی ہے اور اعضاء کو اس کا لشکر قرار دیا۔فرمایا: ''جب دل درست ہو تو سارا بدن درست ہو گیا اور جب دل بگڑ گیا تو سارا بدن بگڑ گیا۔''

اخلاصِ نیت کی فضیلت وحقیقت: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین له الدین** (اور انہیں سوائے اس کے کہ اللہ کی عبادت کریں اور کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا' (تمام باطل دینوں سے منہ موڑ کر) دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے)۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''اخلاص حق تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے''۔ایک مقام

پر آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو فرمایا: ''اے معاذ! عمل اخلاص سے کرو اگر وہ تھوڑا بھی ہو تو کافی ہے''۔ صاحب ''**کیمیائے سعادت**'' رقمطراز ہیں: ایک بزرگ کی وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا' حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ بزرگ نے جواب دیا'' جو کچھ عمل میں نے نیتِ خالص کے ساتھ کیا تھا اسے نیکیوں کے پلڑے میں پایا اور جو عمل اخلاص سے خالی تھا اسے یا تو گناہوں کے پلڑے میں پایا یا کہیں بھی نہیں دیکھا' چنانچہ ایک مرتبہ راستے میں پڑا انار کا ایک دانہ جو میں نے اٹھا لیا تھا (تاکہ رزق کی بے قدری نہ ہو) نیکیوں کے پلڑے میں پڑا ہوا تھا۔ اسی طرح ایک دفعہ میں نے راہِ خدا میں بڑی مقدار میں صدقہ دیا تھا مگر وہ مجھے کہیں نظر نہ آیا یعنی ضائع چلا گیا۔ مجھے فوراً یاد آیا کہ اس کا ضائع ہو جانا ٹھیک ہی تھا کیونکہ جب میں صدقہ دے رہا تھا تو مجھے لوگ دیکھ رہے تھے اور ان کا دیکھنا مجھے اچھا لگ رہا تھا۔ اس بات کی وضاحت ایک حدیثِ پاک میں ملتی ہے' حضور رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں: ''بندے کا کوئی بھی فعل پرسش سے مستثنیٰ نہ ہوگا۔ قیامت کے روز انسان سے ہر چیز کے بارے میں سوال ہوگا اور جو کچھ اس نے کیا ہوگا اس کے لئے وہ جواب دہ ہوگا۔

نیت بدلنے کا انجام: حضرت شیخ ابو طالب مکیؒ بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا' ایک طویل مدت اس نے عبادت کی' کچھ لوگ اس کے پاس آئے اور انہوں نے کہا:۔ فلاں جگہ پر ایک درخت ہے اور لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں۔ عابد یہ سن کر بڑے جلال میں آیا اور کلہاڑا کاندھے پر رکھ کر درخت کاٹنے کے ارادے سے چلا۔ راستے میں شیطان ایک بوڑھے کی صورت میں اسے ملا اور پوچھا: اللہ تجھ پر رحم کرے' کہاں جا رہے ہو؟ فرمایا:۔ ''میں اس درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں جس کی وجہ سے لوگ گمراہ ہو رہے

ہیں۔ اس نے کہا:۔ کہاں آپ اور کہاں وہ درخت! آپ نے اپنی عبادت چھوڑ دی اور دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے کہا:۔ اس وقت میری یہی عبادت ہے کہ اس درخت کا نام و نشان مٹا دوں۔ ابلیس نے کہا' اچھا یہ بات ہے تو پھر میں دیکھتا ہوں کہ تو کیسے جاتا ہے؟ یہ کہہ کر وہ عابد سے گتھم گتھا ہو گیا۔ عابد نے اسے زمین پر دے مارا اور اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ ابلیس نے کہا: اگر تو مجھے چھوڑ دے تو میں ایک پتے کی بات تجھے بتاؤں گا۔ عابد نے اسے چھوڑتے ہوئے کہا: ''کہو کیا کہتے ہو؟'' ابلیس نے کہا:۔ سنو اے مردِ عابد! اگر تو اس درخت کو کٹوانا ایسا ضروری ہی سمجھتا ہے تو کیا پیغمبر وقت موجود نہیں؟ اور کیا حق تعالیٰ انہیں حکم نہیں دے سکتا کہ اس درخت کو اکھاڑ دیا جائے' اگر یہ حکم ہوتا تو وہ اسے اکھاڑ بھی چکے ہوتے' تجھے اس بات کا حکم ہی کب دیا گیا ہے؟ بس اس ارادے سے باز آ۔ عابد نے کہا: ''ہرگز نہیں' میں یہ کام ضرور کر کے رہوں گا''۔ ابلیس نے کہا: ''اچھا! تو پھر میں بھی جانے نہیں دوں گا اور پھر دونوں لڑائی میں الجھ گئے''۔ عابد نے دوبارہ اسے چاروں شانے چت گرا دیا اور اس کے اوپر چڑھ بیٹھا۔ ابلیس نے کہا:۔ اب اگر چھوڑ دے تو ایک اور بات سمجھاؤں اور اگر پسند نہ آئے تو جو تمہارے دل میں آئے کرتے رہنا۔ عابد نے چھوڑ دیا تو ابلیس نے کہا:۔ ''اے عابد! آخر تو ایک درویش آدمی ہے' لوگ ہر وقت تیری خدمت کرتے رہتے ہیں' تیرے پاس اگر کچھ مال ہو اور اسے لوگوں کی خدمت میں خرچ کرے تو تجھے بہت ثواب ملے گا۔ اس درخت کو کاٹنے میں کیا دھرا ہے؟ ان لوگوں نے تو درخت ہی کی پوجا کرنی ہے' تو اگر یہ درخت کاٹ دے گا تو ان کا کچھ نہ بگڑے گا۔ ان کے پاس اور درختوں کی کمی نہیں ہے پس تو اس خیال کو چھوڑ' میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہر روز تیرے سرہانے کے نیچے دو دینار رکھ دیا کروں گا۔

عابد نے یہ سن کر دل میں سوچا کہ اس بوڑھے نے صحیح ہی کہا ہے' میں ایک دینار راہِ خدا میں خرچ کر دیا کروں گا اور دوسرا اپنے کام میں لاتا رہوں گا' یہ بات اس درخت کاٹنے سے واقعی بہتر اور معقول لگتی ہے۔ میں نبی تو نہیں ہوں کہ اس درخت کو کاٹنا مجھ پر لازم ہو۔ اس سوچ بچار کے بعد عابد واپس گھر کی طرف چل دیا۔ اگلے روز صبح دو دینار اسے سرہانے سے مل گئے۔ دوسرے دن بھی اور پھر تیسرے دن بھی یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اب تو وہ بہت ہی خوش ہوا کہ اچھا ہوا اس درخت کے کاٹنے سے باز رہا۔ تاہم یہ خوشی دیرپا ثابت نہ ہوئی' چوتھے دن اسے کچھ بھی نہ ملا۔ اس پر وہ سخت طیش میں آیا اور کلہاڑا لے کر درخت کاٹنے چلا۔ ابلیس نے پھر راستے میں آلیا اور پوچھا: ''آج پھر کدھر کا ارادہ ہے؟'' عابد نے کہا:۔ ''درخت کاٹنے جار ہا ہوں''۔ ابلیس نے کہا:۔ تو جھوٹا ہے' خدا کی قسم! اس درخت کو اکھیڑنا تیرے بس کی بات نہیں رہی' پھر دونوں میں ہاتھا پائی ہوئی لیکن اس مرتبہ شیطان نے فوراً ہی عابد کو پچھاڑ دیا اور مغلوب کر دیا۔ اب ابلیس اس کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: ''ابھی واپس جاتا ہے یا بکری کی طرح تجھے ذبح کروں!'' عابد نے کہا ''مجھے چھوڑ دے میں واپس جاتا ہوں لیکن مجھے اتنا بتا اس سے پہلے دو مرتبہ میں اتنی جلدی تجھے مغلوب کر لیتا تھا اور اس مرتبہ تو اتنی آسانی سے غالب آ گیا۔'' ابلیس نے کہا: بات یہ ہے پہلے دو مرتبہ تیر اغضبناک ہونا اللہ کی خاطر تھا' اس لئے حق تعالیٰ مجھے تیرے ہاتھوں مغلوب کروا دیتا تھا۔ اور ایسے کسی بھی شخص پر مجھے قابو حاصل نہیں ہوتا جو خاص اللہ کی رضا کے لئے کوئی کام کر رہا ہو۔ جو شخص اپنی خواہش کی خاطر کوئی کام کر رہا ہو تو وہ مجھ سے کیا مقابلہ کرے گا؟ چنانچہ اس مرتبہ تیرا غصہ تیری اپنی ذات کے لئے تھا اور تو دنیا کی خاطر جار ہا تھا۔

اس قصہ سے ثابت ہوا کہ عمل اور اس کے پھل کا انحصار نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی

مثال یوں بھی دی جاسکتی ہے کہ اگر کسی دیوار کی بنیاد ٹیڑھی ہو گی تو وہ دیوار مضبوط نہیں ہو گی اور کسی نہ کسی وقت گر جائے گی۔ اس طرح اگر نیت درست نہ ہو گی تو عمل کا ثمر بھی ویسا ہی ہو گا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

نیتِ مومن بود بہ از عمل — ایں چنیں فرمود سلطانِ دولؐ

(نیتِ مومن عمل سے خوب تر — ہے یہی ارشادِ شاہِ بحر و بر)

ہم باری تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بستہ التماس کرتے ہیں کہ وہ ہمارے قلوب کو نیک نیت سے مالا مال کرے اور ہمیں اپنے محبین مخلصین کی صف میں شامل کر دے۔

آمین بجاہِ سیّد المرسلین ﷺ

حقیقتِ رضا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ورضوان من اللہ اکبر"** (اور اللہ کی رضا (دنیوی اور اخروی نعمتوں میں) سب سے بڑی (نعمت) ہے) **(التوبہ:۷۲)** تفسیرِ مظہری میں اسی آیت کے تحت ہے ''اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی سب نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہلِ جنت سے فرمائے گا' اے اہلِ جنت! سب عرض کریں گے۔ اے پروردگار! ہم حاضر ہیں اور تیری سعادت چاہتے ہیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' کیا تم (میری ان جنتوں اور نعمتوں میں) خوش ہو' وہ عرض کریں گے' کیا وجہ ہے کہ ہم خوش نہ ہوں جبکہ تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' میں تمہیں ان سے بھی بہتر نعمت عطا کروں گا' وہ عرض کریں گے' اس سے بہتر کون سی نعمت ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' میں تم پر اپنی رضا کو اتارتا ہوں' پھر میں کبھی تم پر ناراض نہیں ہوں گا''۔ خوش نصیب ہیں وہ افراد جنہیں اللہ کی رضا کی خلعت اسی دنیا میں نصیب ہو جاتی ہے جیسے ایک اور مقام پر باری تعالیٰ فرماتے ہیں: '' **لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ"** اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے راضی ہو گیا جنہوں نے درخت کے نیچے آپ (ﷺ) سے بیعت کی''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا (کہ ان کے ایمان واعمال قبول فرمائے اور اجر عطا فرمایا) اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (کہ احکامِ شرع پر بدل وجان عمل پیرا ہوئے اور ہر طرح کے دکھ سکھ کو قضائے الٰہی سمجھ کر راضی رہے) رضا محبت کا ثمرہ ہے۔ محبت سے بڑھ کر کوئی بھی اور مقام اعلی وارفع نہیں۔ مالکِ

حقیقی کی محبت کا درجۂ کمال یہ ہے کہ بندہ اس کے ہر فعل پر راضی رہے۔ حضور نبیٔ کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے ''رضائے الٰہی پر راضی رہنا بارگاہِ الٰہی کی عنایتوں کے نزول کا سب سے بڑا دروازہ ہے۔''

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ میری امت کے ایک گروہ کو پر لگا دے گا' جو قبروں سے اڑتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے' جس میں وہ آزاد گھومیں پھریں گے اور طرح طرح کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔ فرشتے اس گروہ کے لوگوں سے پوچھیں گے: ''کیا تم نے حساب دیا ہے؟''۔ وہ کہیں گے ''ہم نے تو کوئی حساب نہیں دیا''۔ پھر وہ پوچھیں گے'' کیا تم نے پل صراط عبور کیا؟''۔ وہ کہیں گے ''ہم نے پُل صراط کو دیکھا تک نہیں''۔ فرشتے مزید پوچھیں گے'' تم کس اُمت سے ہو؟''۔ وہ کہیں گے'' ہم اُمتِ محمد یہ ﷺ سے ہیں''۔ فرشتے کہیں گے'' تم دنیا میں کون سے اعمال کرتے رہے ہو؟''۔ وہ جواب دیں گے: ''ہم دو باتوں کے پابند تھے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں تک پہنچایا (۱) جب ہم خلوت میں ہوتے تو خدا کی نافرمانی کرنے سے حیا کرتے۔ (۲) اللہ تعالیٰ جس قدر دیتا اسی پر راضی رہتے''۔ فرشتے کہیں گے: ''پھر تو تم واقعی ان نعمتوں کے حقدار ہو' امام الغزالیؒ نے ایک حدیثِ قدسی نقل کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''میں خدا ہوں' میرے سوا اور کوئی خدا نہیں اس لئے جو شخص میری بھیجی ہوئی مصیبت پر صبر نہیں کرتا' میری بخشی ہوئی نعمت پر شکر بجا نہیں لاتا اور میری قضا (تقدیر) پر راضی نہیں رہتا' اُسے کہہ دو کہ کوئی اور خدا ڈھونڈ لے۔''

امیر المومنین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی محفل میں حضرت ابوذر غفاری رضی

اللہ عنہ کے اس قول کا ذکر ہوا: ''**الفقر احب الّی من الغناء و السقم احب من الصحت**''۔ ''میرے نزدیک مفلسی تونگری سے اور بیماری صحت سے زیادہ محبوب ہے''۔ اس پر امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ابوذرؓ پر رحم فرمائے میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے جو پسند فرمایا ہے' بندہ اس کی پسندیدگی کے سوا کسی اور حالت کی آرزو نہ کرے''۔ جب بندہ اپنے مالک کی رضا اور اختیار کو پسند کر لیتا ہے تو دنیا کے ہر غم سے نجات پالیتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ فرماتے ہیں: ''رضا کی دو جہتیں ہیں' اولاً اللہ تعالیٰ کا بندے سے راضی ہونا' ثانیاً بندے کا اللہ تعالیٰ سے راضی رہنا' اللہ کے راضی ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ بندے کو انعام و اکرم سے نوازے جبکہ بندے کا اللہ سے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے فرامین کے مطابق عمل کرے' اپنا سرِ تسلیم خم کر دے اور جو کچھ بھی اپنے مالک کی طرف سے ملے اس پر راضی ہو جائے۔''

محبوبِ حقیقی کی یاد میں بے چینی بھی چین ہے اور اس بے چینی میں جو لذت اور سکون محسوس ہوتا ہے وہ دنیا کی تمام راحتوں سے فائق و برتر ہے۔ عشاق کے لئے اضطرابِ قلب ہی تسکینِ دل ہے۔ جو لوگ اللہ کی یاد میں سرمست و سرشار رہتے ہیں وہ غموں سے قطعاً ناآشنا ہوتے ہیں' غمِ عشق سب غموں کو بھلا دیتا ہے۔ جو شخص اس حقیقت کو پالیتا ہے تو وہ ہر حال میں شاداں و فرحاں رہتا ہے۔

صاحبِ ''**کشف المحجوب**'' فرماتے ہیں: ''بنی اسرائیل کے ایک عابد نے چار سو سال تک عبادت کی۔ ایک دن اس نے کہا اے خدا اگر تو پہاڑ کو پیدا نہ فرماتا تو لوگوں کے آنے جانے میں آسانی ہوتی۔ اس زمانہ کے نبی علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے فرمایا تم

فلاں عابد سے کہہ دو کہ ہماری ملکیت میں تصرف کرنے اور اس کے بارے میں رائے دینے کا تجھے کوئی حق نہیں۔ اس گستاخی کی پاداش میں اب تیرا نام نافرمانوں اور بدبختوں کی فہرست میں لکھ دیا گیا ہے۔ عابد یہ سن کر خوش ہوا اور فوراً سجدۂ شکر ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی وساطت سے استفسار فرمایا: اے نادان! شقاوت و بدبختی پر سجدۂ شکر کیوں بجالایا؟ عابد عرض گزار ہوا: میرا شکر شقاوت پر نہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ میرا مالک مجھے اس حال میں رکھنے پر راضی ہے۔: ع: **یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے**

عابد نے مزید کہا کہ میری طرف سے اللہ کے حضور یہ عرض پیش کی جائے کہ جب دوزخ ہی میرا ٹھکانہ ٹھہرا دیا گیا ہے تو تمام گناہگاروں کی سزا بھی مجھ ہی کو دے دی جائے۔ عابد کی اس عرضداشت پر اللہ نے فرمایا: ''تجھے اس آزمائش میں ڈالنا فقط تیری محبت و رضا کا امتحان لینا مقصود تھا۔ روزِ قیامت تو جس کی سفارش کرے گا اسے جنت میں بھیج دیا جائے گا۔''

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں: ''جب بندہ عطا و منع دونوں پر خوشی کا اظہار کرے تو وہ خدا پر راضی ہو گیا''۔ ایک اور موقع پر انھوں نے بشر حافیؒ سے کہا: ''رضا زہد سے افضل ہے اس لئے کہ راضی رہنے والا اپنے مقام سے بڑھ کر کسی اور مقام کی تمنا نہیں کرتا۔''

حضرت رابعہ بصریؒ سے پوچھا گیا:۔ بندہ کب راضی برضا کہلانے کا حقدار ہوتا ہے؟ فرمایا ''جب وہ مصیبت میں بھی اسی طرح خوش رہے جس طرح آرام کی حالت میں خوش رہتا ہے۔''

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: تین چیزیں رضا کو ظاہر کرتی ہیں (۱) قضا سے پہلے اختیار کو چھوڑ دینا (۲) قضا کے نازل ہونے کے بعد اس کی تلخی محسوس نہ کرنا (۳) عین مصیبت میں محبت کا زیادہ ہو جانا۔

حضرت ابن عطاؒ نے اس بارے میں فرمایا ''دل کی نگاہ سے اللہ تعالیٰ کے قدیم اختیار پر نظر جمائے رکھنا رضا ہے کیونکہ اس بندے کو معلوم ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے وہی کچھ اختیار کر رکھا ہے جو اس کے لئے سب سے افضل ہے''۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: ''اختیار کا اُٹھ جانا رضا ہے''

حضرت رومیؒ فرماتے ہیں:۔

کار سازِ ما بفکرِ کارِ ما فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

یفعل اللہ مایشاء چوں خواندہ ای پس چرا در فکر حیراں ماندہ ای!

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ہمیں بھی اپنی رضا پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ نبی الامین ﷺ

مقامِ راضیة مرضیة

قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ یاایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی (اے نفسِ مطمئن! اپنے رب کی طرف اس حال میں واپس ہو کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہو۔ پس شامل ہو جاؤ میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں)

اس سے پہلے ہم قلب کی حقیقت پر تفصیلاً بات کر چکے ہیں جب کہ اس بار قلبِ انسانی کی عمدہ ترین کیفیت یعنی نفسِ مطمئنہ کو زیرِ بحث لایا جا رہا ہے۔ یہاں یہ امر نہایت قابلِ توجہ ہے کہ آخر قلب کی وہ کونسی کیفیت ہے جس سے نفسِ انسانی کو اطمینان و سکون ملے؟ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: ''جس طرح مچھلی کو پانی میں سکون اور قرار حاصل ہوتا ہے اسی طرح جب کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں سکون و اطمینان نصیب ہو تو اُسے نفسِ مطمئنہ کہیں گے''۔ اطمینان کی اس کیفیت کا اس وقت تک تصور نہیں کیا جا سکتا جب تک بندہ رضائے الٰہی کے سامنے اپنے آپ کو جھکا نہ لے یعنی اس کے فکر و عمل ہی نہیں بلکہ منشاء ارادے اور خواہشات تک سب رضائے الٰہی کے تابع ہو جائیں۔

ہر وہ قلب جو یادِ الٰہی میں تڑپتا ہو اس کے بارے میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا** ۔ (ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید کی ملی جلی کیفیت سے پکارتے ہیں)۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: **من احب شیئا اکثر ذکرہ**۔ (انسان کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے وہ اس کا ذکر بڑی کثرت سے کرتا ہے)۔ محبت کی پہلی شرط یہ ہے کہ محبوب کا ذکر کثرت سے کیا جائے۔ ہر لمحہ اور ہر گھڑی اس کی یاد

سے دل کی دنیا کو آباد رکھا جائے۔اس ضمن میں علامہ اسماعیل حقیؒ لکھتے ہیں: ''گھبراہٹ اور اضطراب کے بعد جو سکون ملتا ہے' اسے اطمینان کہتے ہیں: یہ مقام ذکرِ الٰہی کی کثرت اور اس کے دوام سے حاصل ہوتا ہے۔قرآنِ حکیم میں ارشادِ ربانی ہے:''.**الابذکر اللہ تطمئن القلوب** (بے شک اللہ کا ذکر ہی دلوں کو اطمینان عطا کرتا ہے)۔جب انسان اس مقامِ ذکر پر فائز ہوتا ہے تو پھر اسے **''اطمینان''** کی دولت سے نوازا جاتا ہے۔

جب قرآن نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اللہ کے ذکر سے ہی قلوب کو اطمینان ملتا ہے تو سوال یہ ہے کہ نفس کی وہ کونسی کیفیت ہے جسے **راضیة مرضیة** (تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی) کہا گیا ہے۔حضرت شیخ ابو طالبؒ لکھتے ہیں: ''محبت اور محبوب کی غیرت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ آنکھ صرف محبوب کی طرف اُٹھتی ہو' دل صرف محبوب کے لئے دھڑکتا ہو' زبان پر محبوب کے سوا کسی اور کا ذکر نہ آئے' آنکھ اور دل میں کسی اور کو نہ بسایا جائے۔جس طرح بی بی زلیخا' جنہوں نے مسلسل تگ ودو کے بعد اپنے محبوب کو پالیا تو یکسر بدل گئیں۔ان کے شب و روز حضرت یوسفؑ سے دور گوشۂ تنہائی میں گزرنے لگے' تمام رات الگ بیٹھی رہتیں۔ایک دن حضرت یوسفؑ نے فرمایا: تو پہلے تو میری محبت میں گرفتار تھی اور اب جب تو نے مجھے پالیا ہے تو مجھ سے گریزاں کیوں ہے؟ سیّدہ زلیخا نے فرمایا: **یا یوسف انما کنت احبک قبل ان اعرفه فاما اذا عرفته فما ابقت محبته محبة سوا** (اے یوسف! میں اس وقت تک تجھ پر فریفتہ تھی' جب تک اس ذاتِ باری کی محبت سے آشنا نہ تھی اور جب سے میں اس کی ہوئی ہوں اس کی محبت نے میرے دل سے اس کے سوا ہر محبت کو مٹا دیا ہے)۔اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو سمجھایا' محبت یہ نہیں کہ محبوب کے احکام کو نظر انداز کر دیا جائے۔حقیقی محبت یہ ہے کہ ہمہ تن اس کے احکام کی

تعمیل کی جائے۔چنانچہ زلیخا کا تصورِ محبت اطاعت میں بدل گیا۔**(قوت القلوب)**

اس حقیقت کو ایک مثال کے ذریعے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے چاہت کا دعویٰ کرے کہ مجھے تجھ سے بے پناہ محبت ہے' میرا دل ہر وقت تیری یاد میں تڑپتا رہتا ہے۔ایک دن وہ شخص کہیں جانے لگتا ہے تو اس کا محبوب کہتا ہے' میں فلاں چیز بہت پسند کرتا ہوں' وہ لیتے آنا' یا یہ کہے کہ فلاں چیز سے مجھے بڑی نفرت ہے اور جو کوئی اس کو پسند کرتا ہے' مجھے اس سے بھی نفرت ہو جاتی ہے' لہٰذا وہاں اس سے بچتے رہنا۔کچھ دنوں بعد جب مُحب (دعوائے محبت کرنے والے) کی واپسی ہوتی ہے تو وہ آکر اپنے محبوب سے یہ کہتا ہے کہ میں نے وہاں ہر گھڑی اور ہر لحظہ تجھ کو یاد کیا مگر وہ چیز جو تجھے پسند تھی' نہیں لا سکا' یا جس کام سے تجھے نفرت تھی وہ کام میں ترک نہیں کر سکا۔اس بات کا فیصلہ کرنا دشوار نہیں کہ اس کا دعوائے محبت سچا ہے یا جھوٹا؟ نیز اس کی یہ محبت کس کام کی جس میں محبوب کی رضا اور عدم رضا کا خیال بھی دل میں نہ پایا جاتا ہو۔

انسان جب کبھی اپنے جیسے انسان سے محبت کرنے لگتا ہے تو وہ اپنے محبوب کی رضا کی خاطر اپنی جان بھی نثار کرنے کو تیار ہو جاتا ہے' محبوب کی غیرت بھی یہ گوارا نہیں کرتی کہ محبّ اس کے علاوہ کسی اور کو چاہے۔اسی طرح جو شخص اللہ سے محبت کا طلب گار ہو تو اُسے ماسوا اللہ سے اپنے دل کو خالی کرنا ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ کی ذات بے حد غیوّر ہے۔وہ محبوبِ اعلیٰ کبھی گوارا نہیں کرتا کہ بندہ میرا ہو کر میرے سوا کسی اور کو اپنے دل میں جگہ دے۔بلاشبہ **ارجعی الی ربک راضیة مرضیة** کا مقام اس وقت ملتا ہے جب انسان اپنے دل میں سے ہر دیگر یاد کو مٹا کر اس کی یاد بسا لیتا ہے وہ اس ذات سے دوسرے سب رشتوں سے بڑھ کر محبت کرتا ہے۔پس وہ شخص جو فانی صورتوں سے محبت کرتا ہے' اپنے لئے

نافع ترین محبت کو کھو بیٹھتا ہے! اس کے دل میں اطمینان وسکون کی بجائے وحشت اور بیزاری پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے ایک دن ارشاد فرمایا: میرے ایک دوست جن کا نام بھیاؔ غریب تھا' وہ خدا کے واصلین میں سے تھے۔ عجیب صاحبِ درد انسان تھے۔ یہ عارف ایک وقت میں ایک عورت کے عشق میں گرفتار ہوئے اور معشوق کی دیوار کے نیچے بسیرا کرلیا۔ وہ (معشوق) کھڑکی سے باہر آیا کرتی اور دونوں محوِ گفتگو ہو جاتے۔ آغازِ شب سے آخرِ شب تک راز و نیاز کا سلسلہ چلتا رہتا' یہاں تک کہ اذانِ صبح ہو جاتی۔ ایک دن ہاتفِ غیب سے آواز آئی ''اے جوان! ایک عورت کے عشق میں تو اوّل شب سے آخرِ شب تک بیدار رہتا ہے' کبھی خداوندِ کریم کے عشق میں ایک رات بیدار ہو کر نہ دیکھا' اس نے جب یہ آواز سنی تو اس کے دل کی کایا پلٹ گئی' اسی وقت توبہ کی اور یادِ حق میں مشغول ہو گئے۔ بدرالدین اسحاقؒ لکھتے ہیں: اس مقام پر حضرت شیخ الاسلامؒ کی مبارک آنکھوں میں آنسو آگئے کہ یہ امر اسرارِ الٰہیہ میں سے تھا کہ وہ عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی کی طرف لوٹ آیا۔ اسی موقع پر حضرت بابا صاحبؒ نے ارشاد فرمایا: ایک دفعہ مجنوں نے سنا کہ لیلیٰ خیرات تقسیم کر رہی ہے۔ فوراً اٹھا' لکڑی کا پیالہ ہاتھ میں لیا اور لیلیٰ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ لیلیٰ نے سب کو کچھ نہ کچھ دیا لیکن مجنوں کو کچھ دیئے بغیر اٹھی اور اندر چلی گئی۔ مجنوں نے ناچنا شروع کر دیا' لوگوں نے طعنہ دیا کہ یہ کیسا ناچ ہے' تجھے کچھ بھی عطا نہیں ہوا' پھر بھی رقص کر رہا ہے؟ مجنوں نے جواب دیا: چلو اس نے اگر کچھ نہیں دیا تو اتنا تو دیکھ لیا کہ یہ مجنوں ہے! تب پھر حضرت شیخ الاسلامؒ پر رقت طاری ہوگئی اور فرمایا: ''اے انسان! اس بات کی قدر وہی جانتا ہے جو عشق کے دریا میں غرق ہو۔ یہ شخص محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس

وقت تک محبوب کے دروازے پر دستک دیتا رہتا ہے جب تک اس کے بدن میں جان رہتی ہے۔''

ارجعی الیٰ ربک ۔ (اپنے رب کی طرف لوٹ) مجھ سے اتنا قریب ہو جا کہ خالق ومخلوق کا فرق تو باقی رہے لیکن تو اپنی ذات کو میری ذات میں اور اپنے ارادوں کو میری منشاء میں یوں فنا کر دے کہ تیرے اندر اپنے ہونے کا احساس باقی نہ رہے۔ امام قشیریؒ رقمطراز ہیں: ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے پوچھا: اے باری تعالیٰ! تیرا سب سے بڑا فضل کیا ہے؟ جواب ملا' مومن پر میرا سب سے بڑا فضل یہ ہے کہ میں اس سے راضی ہو جاؤں۔ عرض کیا'' یہ کس طرح پتا چلے گا کہ آپ بندے سے راضی ہو گئے ہیں؟ فرمایا: ''بندہ اپنے دل پر نظر کرے' اگر اپنے دل کو اللہ پر راضی پائے تو سمجھ لے کہ اللہ اس سے راضی ہے'' اس مقام پر بندہ اپنے رب کا طالب ہوتا ہے اور رب اپنے بندے کا۔ بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اپنے بندے سے' بندہ خدا کی رضا چاہتا ہے اور خدا اپنے بندے کی۔ یہ مقام **راضية مرضية** کا مقام ہے جو معراجِ انسانی ہے۔ ان لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت دی ہے۔ **فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی** پس شامل ہو جاؤ میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں۔

بعض علمائے کرام کے نزدیک یہ بشارت انہیں اس وقت دی جائے گی جب وہ روزِ محشر اپنی قبروں سے اٹھیں گے۔ بعض کہتے ہیں انہیں یہ بشارت اس دنیا سے بوقتِ رخصت دی جائے گی۔ علامہ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں: ۔**ھذا یقال لھا عند الاحتضار وفی یوم القیامة ایضاً** یعنی دونوں وقت اسے یہ خوشخبریاں دی جائیں گی۔ امام ابنِ کثیرؒ اس ذیل میں ایک روایت نقل کرتے ہیں: حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت

نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: **یا رسول اللہ مااحسن ھذا**! (اے اللہ کے رسولؐ! یہ کتنی ہی اچھی بات ہے) **فقال اما انہ سیقال لک ھذا**! حضور ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر صدیقؓ! جب تم اس دنیا سے رخصت ہو گے تو تمہیں بھی یہ بشارت دی جائے گی)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: جب بندۂ مومن فوت ہونے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو اس کی طرف بھیجتا ہے' وہ اسے کہتے ہیں: ''اے نفسِ مطمئنہ! اس دارِ فانی سے نکل اور راحت و آرام کی ان وادیوں کی طرف چل اور اپنے پروردگار کی طرف چل جو تجھ سے راضی ہے''۔

آنحضور ﷺ حضراتِ صحابہء کرامؓ اور اولیاء وصلحائے اُمت کی حیات وممات ہر دو اسی آیتِ کریمہ کی مصداق رہی ہیں۔ کیونکہ وہ رضائے الٰہی کے حصول میں اس درجہ مستغرق ہو جاتے رہے ہیں کہ دُنیا کے رنج و آلام اور خوشی و شادمانی سے اُن کو کوئی علاقہ نہیں رہتا تھا۔ زندگی اُن کے لئے دارالامتحان اور موت وصالِ الٰہی کی پیام بَرتھی' اسی لئے تو وقتِ وفات ان کی یہ کیفیت بیان کی گئی ہے:

نشانِ مردِ مومن با تو گویم

چوں مرگ آید تبسم برلبِ اوست

(تجھے مومن کی نشانی بتاؤں کہ وقتِ وفات اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے) مگر یہ یاد رہے کہ یہ مقام ہر کسی کو نہیں ملتا بلکہ اس کے مستحق دراصل وہی اصحابِ فضیلت ہیں جو فنا و بقاء کے مراحل سے بلند ہو کر رضائے الٰہی میں اس طرح مستغرق ہوتے ہیں کہ **بی یسمع وبی یبصر** (میں ان کی سماعت اور بصارت بن جاتا ہوں) کے مقام پر فائز ہو جاتے ہیں اور **یداللہ فوق ایدیھم**۔ (اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہوتے ہیں) کے مصداق بن

جاتے ہیں۔ اسی کیفیت کا اظہار حضرتِ مولانا رومؒ کے اس شعر میں ہوتا ہے جسے ہمارے جدِ امجد حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہؒ اکثر دہراتے تھے۔

اُذکروا اللہ کارِ ہر اوباش نیست

اِرجعی بَر پائے ہر قلاش نیست

(اللہ کو صحیح معنوں میں یاد کرنا ہرایرے غیرے کا کام نہیں ہے۔ اور نہ ہی ''ارجعی'' کی دولتِ گراں مایہ ہر تہی دامن کے ہاتھ آتی ہے)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیبِ پاک' صاحبِ لولاک ﷺ کے صدقے ہر طالب کو **راضیة مرضیة** کا مرتبہ عطا فرمائے۔

آمین بحق سید المرسلین ﷺ

توکل علی اللہ

یہ امر بدیہی ہے کہ جس سے محبت ہو اور اُس کی طاقت وقدرت کا سکہ بھی رواں ہو تو اُس کی فرمانبرداری اور اطاعت خود بخود مقصودِ حیات بن جاتی ہے۔اس صورت میں محبّ اپنے محبوب پر یوں شیفتہ وفریفتہ ہوتا ہے کہ اُس کے بغیر اُسے کچھ نہیں سُوجھتا۔وہ اپنے دن رات اُس کے لطف وکرم کے سائے میں گزارتا ہے۔وہ اپنی زندگی کی ہر حاجت اور ہر ضرورت اُسی سے پوری کرتا ہے۔محبّ کی نگاہیں ہمہ وقت محبوب پر جمی رہتی ہیں اور وہ اپنے محبوب کے علاوہ کسی اور جانب ایک لحظہ کے لئے بھی متوجہ نہیں ہوتا۔

یہ عالمگیر صداقت ہے کہ جذبۂ محبت کے ساتھ جذبۂ غیرت بدرجۂ اتم شامل ہوتا ہے۔محبت جس قدر قوی ہوتی ہے' محبّ اُسی قدر غیرت مند ہوتا ہے۔اُدھر محبوب میں بھی غیرتِ محبت اسی درجہ شدید ہوتی ہے کہ وہ اپنے محبّ کے کسی غیر کی طرف متوجہ ہونے کو برداشت نہیں کرتا۔محبت کو یہ گوارا ہی نہیں کہ اس سلسلے میں کسی غیر کا عمل دخل ہو۔جذبۂ محبت کے ساتھ جب اطاعت وفرمانبرداری کا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے تو وہ جذبۂ ایمان بن جاتا ہے۔اس جذبے کا مزاج سراسر توحید ہے اور توحید کا تقاضائے اوّلیں توکل علی اللہ ہے۔اس ایمانی کیفیت کے زیرِ اثر انسان اپنے لئے اعانت واعتماد کا مرکز ذاتِ باری تعالیٰ کو سمجھتا ہے۔

توکل کے معنی بالعموم یہ سمجھے جاتے ہیں کہ انسان بیٹھا رہے' ہاتھ پاؤں کو حرکت نہ دے' کچھ بھی کام نہ کرے اور اللہ پر اعتماد کر کے اس امر کا منتظر رہے کہ کسی سعی کے بغیر خود بخود کام بنتے رہیں گے' روزی آتی رہے گی اور ہم کھاتے رہیں گے' شب وروز گزرتے رہیں گے' کام سنورتے رہیں گے۔یہ تصور سراسر غیر اسلامی ہے جس میں اسباب سے کلیتاً

صرفِ نظر کیا جائے' ایسا توکّل خدا کو ہرگز منظور نہیں۔اسباب مہیّا کرنے کے لئے جدوجہد اور محنت کرنے کے ساتھ ذاتِ حق تعالیٰ پر بھروسا کرنا صحیح توکل کہلاتا ہے۔جو شخص اللہ تعالیٰ کو کارسازِ حقیقی سمجھتا ہے اور ساتھ ہی اپنے فرائض بھی ادا کرتا اور ہر ممکن کوشش ومحنت سے کام لیتا ہے' درحقیقت وہی متوکل ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:"**رب المشرق والمغرب لاالٰہ الا ھو فاتخذہ وکیلا**" (وہی مشرق ومغرب کا ربّ ہے اس کے علاوہ اور کوئی لائقِ عبادت نہیں اُسی کو اپنا وکیل اور کارساز بناؤ)۔

وکالت کا مفہوم یہ ہے کسی کام کو بطریقِ احسن انجام دینے کی ذمہ داری کسی کے سپرد کی جائے۔ہم روزمرہ زندگی میں اپنے اکثر کام دوسرے کے سپرد کرتے ہیں لیکن یہ تو کبھی نہیں ہوا کہ ایسا کرنے کے بعد ہم غفلت کی چادر اوڑھ کر سورہیں۔اُس کام سے کلیتاً لاتعلق ہو کر الگ تھلگ بیٹھ رہیں۔موکل اپنے وکیل کی ہدایات کا پابند ہوتا ہے اور اس ضمن میں اپنی تمام مساعی اور توجہات اپنے نقطۂ مقصود پر مرکوز رکھتا ہے۔یہی مثال ذاتِ باری تعالیٰ پر توکل کرنے کے سلسلے میں صادق آتی ہے' ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں' اپنے کام اُس کے سپرد کرتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہیں' کوئی کام نہ کریں' اللہ کے فرمائے ہوئے قوانین اور ضوابط کو پسِ پُشت ڈال دیں' اس کی ہدایات پر عمل کرنا چھوڑ دیں' اُس کی بتائے ہوئے راہِ مستقیم پر چلنے کی قطعاً پروانہ کریں۔پھر دعویٰ اس بات کا کریں کہ ہم متوکل ہیں۔ہرگز نہیں' یہ خیال سراسر غیر اسلامی ہے۔عقلِ استدلالی بھی اس امر کی صحت ودرستی کی تصدیق نہیں کرتی۔حضرت انسؓ بن مالک راوی ہیں:"ایک ناقہ سوار آیا اور حضرت رسولِ مقبول ﷺ کی خدمت میں عرض گزار ہوا" کیا میں اونٹنی کو چھوڑ دوں اور اللہ پر بھروسہ کئے رہوں!" آپؐ نے فرمایا:"اس کی ٹانگوں میں رسی باندھ دو'

پھر اللہ پر بھروسہ کرو‘‘۔ اس حدیث سے توکل کا مفہوم اور زیادہ واشگاف انداز میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ کسی مقصد کے حصول کے لئے اپنی طرف سے پوری مساعیٔ عمل میں لائی جائیں اور بعد ازاں اُن مساعی کا نتیجہ خدا پر چھوڑ دینا صحیح اور اسلامی توکل ہے۔

اسلامی توکل میں اللہ پر بھروسہ کرنے کے ساتھ اُس کے ارشادات پر پابندی کے ساتھ کار بند رہنا ضروری ہے۔ اللہ کے ارشادات سے باغی ہو کر اللہ پر بھروسہ کرنا اور اچھے نتائج کا امیدوار ہونا سراسر حماقت اور فریب ہے۔ حضرت مولائے رومؒ کی بیان کردہ ایک منظوم حکایت ہمارے موقف کی زبردست تائید کرتی ہے۔ فرماتے ہیں: ایک شخص دنیوی امور کو سرانجام دینے میں غفلت اور کوتاہی سے کام لیتا‘ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی تعمیل میں بھی بے اعتنائی اور لاپروائی کا افسوسناک مظاہرہ کرتا۔ نتیجتاً وہ شخص دنیوی اور دینی طور پر بالکل بے مایہ اور مفلس و نادار ہو گیا۔ اُنہی ایام کے دوران اُس کی نظر ایک رئیس کے لشکریوں پر پڑی جن کے ملبوسات دلکش اور نظر افروز تھے‘ اُن کی زندگی کے رنگ ڈھنگ سے آسودگی اور راحت کے آثار نظر آتے تھے۔ اُن کا مالک اُن کی خوشی اور اُن کے آرام کا ہر لحظہ خیال رکھتا۔ اِن لشکریوں کی اطمینان اور کیف و سرور سے لبریز زندگی دیکھ کر وہ شخص اللہ کے حضور یوں شکوہ سنج ہوا ’’اے ربّ! تجھے بندوں کے پالنے کا سلیقہ نہیں آتا‘ اگر تجھے ربّ بننا نہیں آتا (معاذ اللہ) تو اِس رئیس سے یہ طریقہ سیکھ لے۔‘‘ چند دن گزرے تھے کہ بادشاہ نے اس رئیس کو کسی جرم میں گرفتار کر لیا۔ رئیس کے خلاف تحقیق و تفتیش شروع ہو گئی۔ بادشاہ کے خدام نے رئیس کے لشکریوں سے اس کے خفیہ خزانے کے بارے میں پوچھا‘ کسی لشکری نے رئیس کے خلاف ایک لفظ بھی نہ کہا‘ اُنہیں صعوبتوں اور اذیتوں میں مبتلا رکھا گیا‘ اس کے باوجود اُن کے ہونٹ رئیس کے حق میں بند رہے۔ بادشاہ نے تنگ آ کر ایک ایک لشکری

کو قتل کرنے کا فرمان جاری کر دیا۔ ہلاکت کا یہ روح فرسا منظر دیکھ کر بھی لشکریوں نے اخلاص و وفاداری کا مظاہرہ کیا۔ اس وقت ہاتفِ غیبی نے یہ آواز دی: ’’تُو بھی خدا کا بندہ بننے کا ڈھب ان لشکریوں سے سیکھ لے!‘‘ ہم خدا تعالیٰ کے حضور شکوہ سنجی میں بہت جلد باز ہیں مگر یہ کبھی نہیں سوچا کہ ہم کس حد تک ذاتِ باری تعالیٰ کے وفادار اور اطاعت گزار ہیں۔ ہمیں خود بندگی کا سلیقہ نہیں آتا‘ راہِ مستقیم سے دور بھاگتے ہیں‘ حق تعالیٰ کے ارشادات کی تعمیل میں ذرا بھی مستعدی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ ہم آئے دن تکلیفوں اور مصیبتوں کے زنداں میں اسیر رہتے ہیں مگر کبھی یہ نہیں سوچتے کہ یہ سب عذاب ہم پر ہی کیوں نازل ہو رہے ہیں؟ اس کی وجہ مساعی سے گریز اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے کلیتاً بے توجہی ہے‘ ہم پر لازم ہے کہ ہم پوری تندہی اور محنت سے اللہ کے احکامات کی تعمیل کریں۔ روزمرہ زندگی میں محنت و دیانت کو اپنا رفیق بنائیں اور ان تمام امور کا نتیجہ اللہ کی ذات پر چھوڑ دیں۔ یہی توکل کا صحیح اور واضح مفہوم ہے جسے نہ سمجھنے کے سبب ہم اللہ تعالیٰ کے خلاف شکوہ سرائی شروع کر دیتے ہیں۔ اللہ کی تدبیر میں اپنی رائے کو دخل نہیں دینا چاہیے۔ ممکن ہے کوئی چیز جسے ہم اپنے لئے بُرا سمجھتے ہیں‘ وہی ہمارے حق میں مفید اور راحت بخش ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **’’وعسی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسی ان تحبوا شیئا وّ ھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون‘‘** (ممکن ہے تمہیں کوئی بات بُری لگی مگر وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کوئی بات تمہیں پسند آئے حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو‘ اللہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے)۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **فعسیٰ ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیه خیرا کثیرا** ۔ (پس ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو (طبعاً) ناپسند کرو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں (تمہارے لئے دینی یا

دنیوی) بہت بڑی بھلائی رکھی ہو)۔

اللہ سے محبت‘ اس کی اطاعت اور اُس پر توکل انسان کو روزمرہ زندگی میں حیرت انگیز مشاہدات کی دولت سے سرفراز کرتا ہے۔ ایسے عجیب وغریب واقعات ایمان کی روشنی بخشتے ہیں کہ انسان توکل کے صحیح مفہوم کی دولت سے مالا مال ہوجاتا ہے۔ ایک مستند تاریخی واقعہ ہمارے موضوع کو اور زیادہ تقویت دیتا ہے حضرت ابن المالکیؒ ارشاد فرماتے ہیں: انہیں ابوحمزہ خراسانیؒ نے بتایا کہ ’’ میں ایک بار حج کے سفر پر روانہ ہوا‘ راستے میں ایک کنوئیں میں گر پڑا‘ نفس نے مجھے فریاد کرنے کی ترغیب دی مگر میں نے قسم کھالی کہ فریاد نہیں کروں گا۔ ابھی میں خیال کی اسی اُدھیڑبُن میں تھا کہ کنوئیں پر دو آدمی آئے اور کہنے لگے اس کنوئیں کا منہ بند کردینا ضروری ہے‘ ایسا نہ ہو کوئی راہ گیر اس میں گر پڑے۔ انہوں نے کنوئیں کا منہ بند کردیا۔ دل میں خیال آیا کیوں نہ زور سے فریاد کروں اُس ذات کی خدمت میں جو اُن سے بھی میرے زیادہ نزدیک ہے۔ ابھی ایک گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ کوئی چیز آئی‘ اس نے کنوئیں کا مُنہ کھول دیا اور اپنی ٹانگ نیچے لٹکادی۔ میں اُس کی ٹانگ سے لٹک گیا‘ اُس نے ٹانگ اوپر کھینچ لی اور میں بخیریت کنوئیں سے باہر آگیا‘‘۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ (جو کوئی اللہ کی ذات پر بھروسہ کرے گا تو وہ اُس کے لئے کافی ہوگا)۔

مضمون کے لبِ لباب کے طور پر حضرت مولانا رومؒ کے اشعار درج کرنا بہت مناسب ہے۔:

گر توکل می کنی در کار کن
کار کن‘ پس تکیہ بر جبّار کن

اگر توکل کرنا ہے تو کام میں کرو۔ کام کرو اور پھر اللہ پر بھروسہ کرو

رمزِ الکاسب حبیب اللہ شنو
در توکّل از سبب کاہل مشو

حدیثِ پاک میں ارشاد ہے‘ محنت کرنے والے اللہ کے محبوب ہیں‘ یہ حقیقت سنو‘ اور توکل کے زعم میں اسباب دنیا اختیار کرنے سے کاہلی نہ کرو۔

در توکل کسب وجُہد اولیٰ تر است
تاحبیبِ حق شوی ایں بہتر است

(توکل میں محنت اور جدوجہد کا طریق زیادہ اچھا ہے تاکہ بمطابق حدیث ’’بذریعہ محنت‘‘ اللہ کے حبیب بنو)۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسلامی تعلیمات کا صحیح مفہوم سمجھنے اور اُن پر کما حقہٗ عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین بجاہِ خاتم النبیینﷺ

صبر

یوں تو انسان کو ہر لمحہ اطاعتِ خداوندی اور صبر و شکر میں گزارنا چاہیے مگر کچھ ایام ایسے ہوتے ہیں جن میں بعض امور کا خصوصی تعلق ہوتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ماہ محرم میں اہلِ بیت پر ظلم و ستم کے بے شمار پہاڑ ٹوٹے' صفر کا مہینہ بھی مومنین کے لئے ابتلاء و آزمائش کا مہینہ ہے۔ اس مناسبت سے ''صبر'' کے حقیقی معنی کو سمجھنا بے حد ضروری ہے۔

در بلیاتِ جہاں صبار باش
گاہِ نعمت شاکر جبار باش

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **انما یوفی الصا برون اجرھم بغیر حساب** (بے شک صبر کرنے والوں کو اُن کا اَجر بے حساب دیا جائے گا)۔ (الزمر: ۱۰) صبر کے لغوی معنی روکنا اور برداشت کرنا ہیں' بالفاظِ دیگر اپنے نفس کو اضطراب کے اظہار سے روکنا اور تکلیف وصعوبت کو برداشت کرنا۔ صبر سے یہ مفہوم ہرگز مراد نہیں کہ بے بسی اور بے چارگی کے عالم میں لبوں پر مہرِ سکوت ثبت کر دی جائے اور نہ ہی اس کے یہ معنی ہیں کہ مجبوری کے پیشِ نظر شکست تسلیم کر لی جائے۔ بلکہ صبر کی حقیقت یہ ہے کہ نہایت سنگین صورتِ حال میں بھی اللہ کی رضا و خوشنودی کی خاطر پامردی' حوصلہ مندی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا جائے۔ اور دل میں رضا و تسلیم کے سبب زبان پر بے صبری اور شکوہ کا ادنیٰ ترین کلمہ بھی نہ آئے۔ قرآنِ پاک میں صبر کا لفظ اسی متذکرہ مفہوم کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر مفہوم و معنی میں تغیر محسوس ہوتا ہے' بنظرِ غائر دیکھا جائے تو ان سب کا مرجع ایک ہی معنی' یعنی ثابت قدمی اور استقامت ہے۔ لفظ ''صبر'' جن آیاتِ قرآنی میں مختلف مفاہیم کے ساتھ استعمال ہوا ہے' وہ درج ذیل ہیں:۔

مفہومِ اوّل: ہزار کوہِ الم ٹوٹ پڑیں۔ استقامت و ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹے رہنے کا نام صبر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے آغاز میں جب توحید و اسلام کی دعوت دی تو آپؐ کے خلاف ہر طرف سے دشمنی اور عداوت کے طوفان آمڈ آئے۔ جو لوگ آپؐ کو **''صادق و امین''** کہہ کر شوق کی پیاس بجھاتے تھے' وہی آپؐ کی جان کے درپے ہو گئے۔ قدم قدم پر مصائب و آلام کی دیواریں کھڑی کر دی گئیں۔ آپ کی گزرگاہوں میں کانٹے بچھا دیئے جاتے تا کہ عبادتِ خداوندی کے لئے حرمِ حق تک نہ پہنچ سکیں۔ ان تکلیف دہ حالات میں بشری تقاضے کے تحت اضطراب کے طوفان نے جب بھی آپؐ کی طرف رخ کیا اور کامیابی کی فضا دھندلانے لگی تو ان مشکل لمحات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو حوصلہ کی نوید آئی۔ **واصبر حتٰی یحکم اللہ وھو خیر الحاکمین** (اور صبر کرو' یہاں تک کہ اللہ حکم فرمائے۔ اور وہ سب سے بہتر حکم فرمانے والا ہے) (**یونس: ۱۰۹**)۔ یہ الفاظ آپؐ کے لئے تسلی و تشفی کا ہمت افزا پیغام تھے جو آپؐ کی گھبراہٹ اور بے چینی کی کیفیت کو یکسر ختم کرنے والے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مدت تک صبر کرنے کی تلقین فرمائی ہے چنانچہ اس مقررہ وقت کے آنے پر اضطراب و قلق کے تمام بادل چھٹ گئے اور سکون و اطمینان کے بہار افزا جھونکے دل و جان کو سرشار کرنے لگے۔ صبر کے اس مفہوم کا اطلاق امتِ مسلمہ کے ہر فرد پر ہوتا ہے۔ جب اہلِ اسلام پر ظلم و ستم کی آگ برس رہی ہو اور اہلِ حق سراسیمگی کی کیفیت میں سوختہ جان ہوں تو ابتلاء کی ایسی گھڑیوں میں تمسک بالحق فوز و کامرانی کی بین دلیل ہے۔ ربِ کریم کا ارشاد ہے:۔ **فاصبر ان وعد اللہ حق** (تو صبر کر' بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے)۔ (الروم۔ ۲۰)

مفہومِ دوم: صبر کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب انسان ابتلاء و آزمائش کا سامنا کرتا ہے تو وہ اپنی ذاتی جدوجہد اور سعی و عمل کے ذریعے اس تکلیف سے نجات کے لئے زور آزما ہوتا ہے، مگر کئی بار اپنی بہترین مساعی کے باوجود وہ ناکام رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے اقرباء اور اعزہ و احباب کو امداد و حمایت کے لئے یاد کرتا ہے لیکن ان کی بھی تمام کوششیں اکارت جاتی ہیں۔ وہ اولیاء اللہ کی طرف دوڑتا ہے لیکن جب مشیتِ حق کا رخ مختلف ہوتا ہے، تو وہ اس کے لئے صبر اور سلامتیِ ایمان کی دعا کرتے ہیں اور مشیّتِ ایزدی کے خلاف دعا نہیں کرتے تو وہ بے چارہ ان تمام حربوں کو آزما کر نہایت بے بسی و بے چارگی کی حالت میں سخت افسردہ جاں ہو جاتا ہے۔ یہاں مشیتِ ایزدی پورے زور سے اس کے جسم و روح میں اپنا حکم صادر کرتی ہے۔ اس وقت انسان یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی دوسرا اس کی مشیت کے سامنے امداد نہیں دے سکتا۔ اسی کا نام توحید ہے۔ اسی سلسلے میں تمام تکلیفوں اور صعوبتوں کو برداشت کرنے کا نام صبر ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیڑیئے کے کھانے کی جھوٹی خبر سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں: **فصبر جمیل واللہ المستعان علی ماتصفون** (تو صبر اچھا ہے اور اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں۔ ان باتوں پر جو تم بتا رہے ہو)۔ (یوسف:۱۸) حضرات امام حسین علیہ السلام کو بھی ایسی ہی بے بسی و بے کسی کا سامنا ہوا تھا۔ اعزہ و اقرباء اور وفا کیش ساتھیوں کی امداد و اعانت کے باوجود مشیتِ حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ ایسی دشواریوں اور تکلیفوں سے نبرد آزما ہوئے جن کی مثال تاریخِ عالم میں نہیں ملتی۔ ع

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

مفہومِ سوم: صبر کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر ہر تکلیف کو برداشت کرنا اور طعن و تشنیع کی پروا کئے بغیر اپنے مسلک کی سچائی کی خاطر استقامت کے ساتھ ڈٹے رہنے کا نام صبر ہے۔ اس مفہوم میں حق و صداقت کے پرچم کو ہر حال میں بلند رکھنے اور لہرانے اور اس دوران تکلیف و مصیبت سے نبرد آزما ہونے کو صبر کہتے ہیں۔ یہ ایک مسلسل جہاد ہے جو روزِ ازل سے حق اور باطل، خیر و شر کے درمیان وقوع پذیر رہا ہے اس جہاد کو زندہ رکھنا فوز و کامرانی اور فتح و نصرت کی نشانی ہے۔ اس جہاد کا نفسیاتی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان بددل اور پست ہمت ہونے کے بجائے اور زیادہ استقلال و استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ تاریخِ عالم شاہد ہے کہ بلند مقاصد پیشِ نظر رکھنے والے پُرعزم عظیم افراد کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کی گئیں، طاغوتی حربوں سے انہیں پریشان کرنے کی مساعی کی گئیں مگر انہوں نے اور زیادہ پامردی سے ان کا مقابلہ کیا۔ انجامِ کار اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے۔ حضور ﷺ کو اسی لئے دوسری وحی میں جب تبلیغ اور دعوت کا حکم ہوا۔ "**یا یھا المدثر قم فانذر**۔ (اے بالاپوش اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ، پھر ڈراؤ) تو ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا گیا کہ دعوت و تبلیغ کی راہ شدائد و مصائب ضرور آئیں گے لیکن ..**ولربک فاصبر**" (اور اپنے رب کے لئے صبر کیے رہو)۔ اس قسم کے مواقع انبیاء علیہم السلام کو پیش آتے رہے ہیں چنانچہ حضور اکرم ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فرض کی ادائیگی میں ڈٹے رہنے کا حکم صادر فرمایا: **فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل ولا تستعجل لھم**: (تو تم صبر کرو جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لئے (عذاب طلب کرنے میں) جلدی نہ کرو) **(الاحقاف:۳۵)**

مفہومِ چہارم: صبر کا چوتھا مفہوم اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ تمہارے ساتھ کوئی لاکھ برا

سلوک کرے' حوصلہ سے اسے برداشت کیا جائے' کوئی ہزار تکلیف دے' اس کے قصور کو معاف کیا جائے۔ طائف کی وادی میں حضورﷺ کے جسم پر پتھر برسائے گئے۔ آپؐ کے جسمِ اطہر کو لہولہان کیا گیا۔ اس کے جواب میں آپؐ دعا فرماتے ہیں: ''اے اللہ ان کو ہدایت عطا فرما۔'' عفو ودرگزر کی یہ مثال پوری تاریخِ عالم میں نہیں ملتی' جن لوگوں نے پورے تیرہ سال آنحضرتﷺ اور ان کے جاں نثار ساتھیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے' آپؐ نے فتح مکہ کے موقع پر ان تمام ظالموں کو معاف کر دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **واصبر وما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیھم ولاتک فی ضیق مما یمکرون** (اور اے محبوب! تم صبر کرو اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے' اور ان کا غم نہ کھاؤ' اور ان کے فریبوں سے دل تنگ نہ ہو)۔ (**النحل:۔۱۲۷**) صبر کا یہ مفہوم اس امر کا ترجمان ہے کہ عفو ودرگزر اہلِ اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ صبر و برداشت کا یہ مظاہرہ ضعف وکمزوری اور غلبۂ دشمن کے باعث نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی رضا وخوشنودی کی خاطر ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: . **والذین صبروا ابتغاء وجه ربهم واقاموا الصلوٰة و انفقوا مما رزقنهم سرا و علانية ويدرء ون بالحسنة السيئة اولئک لهم عقبى الدار**: (اور وہ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی رضا چاہنے کو' اور نماز قائم رکھی' ہمارے دیئے ہوئے سے ہماری راہ میں پوشیدہ اور ظاہر خرچ کیا اور برائی کے بدلے بھلائی کر کے ٹالتے ہیں' انہی کے لئے پچھلے گھر کا نفع ہے) (**الرعد:۲۲**) ان لوگوں کو جنتِ عدن میں داخل کیا جائے گا اور ان کی برکت سے ان کے اہلِ ایمان والدین' ازواج اور اولاد کو ان ہی کے درجے میں رکھا جائے گا اس پر فرشتے انہیں مبارکباد دیں گے اور کہیں گے۔ ''**سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار**. (تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا تھا تو آخرت کا انجام کیا ہی اچھا ہے)۔

(الرعد:۲۴) یہاں ایک بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ اس آیت کے شروع میں چند نیکیوں کا ذکر ہے: صبر' نماز' خیرات' برائی کا بدلہ بھلائی سے مگر فرشتوں نے وہ خاص وصف جس پر سلامتی کی دعا دی' وہ صبر اور تحمل ہے۔ جس شخص کے مزاج میں یہ جوہر شامل ہوگا وہ ہر عبادت بجالانے کی تکالیف برداشت کرے گا۔

مفہومِ پنجم: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اپنی محبت کے انعام سے مالا مال کرتا ہے تو سب سے پہلے اس کے قلب و باطن سے نقص وعیب کو ختم کرتا ہے' اس کے حرمِ دل کو خیالِ غیر کی آلودگی سے کلیتاً پاک وصاف کرنے کے لئے اسے آزمائشوں کی بھٹی سے گزارتا ہے۔ اللہ کی مشیت کے مطابق وہ بندہ آزمائش وابتلا میں ڈال دیا جاتا ہے۔ وہ قدم قدم پر امتحانات کے جال بچھے ہوئے دیکھتا ہے' جہاں سے بخیریت گزر جانے کے لئے وہ صبر وتحمل کو اپنا رہبر بناتا ہے۔ اس طرح سے وہ ہر مصیبت سے نبرد آزما ہونے کا خوگر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **واصبر لحکم ربک فانک باعیننا** (اور اے محبوب! تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو' کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو)۔ (الطّور:۴۸)۔ صوفیائے کرام کے حالاتِ زندگی کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ آغاز میں وہ بے شمار تکلیفوں اور صعوبتوں میں گھرے رہتے ہیں۔ ان مشکل لمحات میں وہ ہر وقت خدا کی امداد واعانت کے طلبگار رہتے ہیں۔ ان کا ذاتِ مطلق سے رابطہ لحظہ بہ لحظہ مضبوط تر ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ذاتِ مطلق میں بالکل فنا ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور نبی ءکریمﷺ انصار کے پاس تشریف لائے تو پوچھا! کیا تم مومن ہو؟ وہ خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا'' ہاں'' اے اللہ کے رسولﷺ آپؐ نے پوچھا'' تمہارے ایمان کی علامت

کیا ہے؟'' انہوں نے عرض کیا ہم کشائش میں شکر کرتے ہیں اور ابتلاء میں صبر کرتے ہیں اور قضا پر راضی رہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''ربِ کعبہ کی قسم! تم مومن ہو!'' ایک اور حدیث میں فرمایا گیا: ''جس نے دنیا میں اپنے سے کمتر کی طرف دیکھا اور دین میں اپنے سے بہتر کی طرف نظر جمائی' اللہ تعالیٰ اس کو صابر و شاکر شمار کرے گا''۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''جس مسلمان کو بقدرِ ضرورت روزی دی گئی اور اس کو اللہ نے صبر و قناعت کی توفیق بخشی تو ایسا شخص کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ (جامع ترمذی)

''صبر'' پر سلف صالحین کے اقوال

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: ایمان میں صبر کی مثال ایسے ہے جیسے بدن میں سر ہو' جس کا سر نہ ہو اس کا بدن نہیں ہوتا۔ جسے صبر حاصل نہ ہو اس کا ایمان نہیں ہوتا۔ مزید فرمایا: ''صبر ایک ایسی سواری ہے جو کبھی ٹھوکر نہیں کھاتی۔'' حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ افضل ترین عمل کونسا ہے؟ فرمایا ''ابتلاء (آزمائش) کے وقت صبر کرنا''۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: اللہ کے احکام کی مخالفت سے دور رہنا' مصائب کے گھونٹ پینے پر سکون و اطمینان اور زندگی کے میدان میں محتاجی کے باوجود اپنے آپ کو مالدار ظاہر کرنے کا نام صبر ہے۔ حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں: صبر کو اپنا شعار بناؤ' یہ دنیا تمام تر آفات کا مجموعہ ہے۔ جو لوگ مصیبت میں صبر و تحمل سے کام لیتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کی بے حساب مدد فرماتا ہے۔ امام ابوعلی دقاقؒ صبر کی تعریف میں لکھتے ہیں: صبر یہ ہے کہ تو تقدیر پر اعتراض نہ کرے' اپنی مصیبت کا اظہار اس طریقہ پر کرے کہ اس میں شکایت کا پہلو نہ پایا جاتا ہو تو یہ صبر کے منافی نہیں۔

دعا ہے کہ اللہ ربّ العزت ہمیں صبر کے مفہوم کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سیّد الانبیاء و خاتم المرسلین ﷺ

شکرِ خداوندی

حضور نبی ءکریم ﷺ نے فرمایا: ''صبر نصف ایمان ہے' شکر نصف ایمان ہے۔ یقین ایمانِ کامل ہے'' پس یقین ہی ان دونوں کی اصل ہے اور یہ دونوں اسی کے پھل ہیں۔

شکر بھی صبر کے سلسلے کی کڑی ہے اور اس لفظ کا لغوی مطلب ہے ''جب جانور تھوڑا سا چارہ ملنے پر تر و تازہ رہے اور دودھ بھی زیادہ دے''۔ لہٰذا محققین کے نزدیک شکر سے مراد انعام عطا کرنے والے کی ذات کا نہایت عاجزی کے ساتھ اعتراف کیا جانا ہے۔ بعض علمائے سلف کے نزدیک شکر کا مفہوم یہ ہے: ''محسن کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف کرنا''۔ بندے کی شکر گزاری سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کو یاد کرتے ہوئے اس کی حمد بیان کرے اور ہمہ وقت اس کی اطاعت میں رہے۔

شکر کے حوالے سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے فقط زبان سے الحمدللہ کہہ دیا تو مالک کا شکر ادا ہو گیا۔ حالانکہ صرف زبان سے شکریہ ادا کرنے سے شکر کا حق ادا نہیں ہوتا۔ شکر دراصل دل کے اس لطیف احساس کا نام ہے جس کے تحت ہم اپنے محسن سے محبت کرتے ہیں' پھر پوری کوشش کرتے ہیں کہ اس کی خوشنودی کے لئے اس کے احکام کی اطاعت کریں۔ اگر ہم صرف زبان سے شکر کا لفظ ادا کریں لیکن دل میں احسان مندی کا عاجزانہ احساس نہ ہو تو اس صورت میں ہم اپنے محسن کا شکر ادا کرنے میں صادق نہیں' ایسا شکر خدا کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام پر احسانات کے بارے میں ارشاد فرمایا: **اعملوا آل داود شکراً** ''اے داؤد کے گھر والو! شکر ادا کرنے کے لئے نیک عمل کرو'' (سبا: ۱۳) اس آیتِ پاک سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادائے شکر فقط زبان تک محدود نہیں بلکہ اعمال و افعال کی صورت میں بھی اس کا اظہار لازم

ہے۔حضرت سلیمان علیہ السلام خدا سے دعا کرتے ہیں: **ربّ اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلٰی والدیّ وان اعمل صالحاً ترضاہ** "اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیرے احسان کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا اور یہ کہ میں وہ نیک کام کروں جو تو پسند کرے" **(النمل:۱۹)** ایک اور مقام پر ربِ کریم فرماتے ہیں' **لئن شکرتم لا زید نکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید** ''البتہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بھی سخت ہے''۔ **(ابراہیم:۷)**

تفسیر خزائن العرفان میں ہے ''شکر کی اصل یہ ہے کہ آدمی نعمت کا تصور اور اس کا اظہار کرے۔اور حقیقتِ شکر یہ ہے کہ منعم کی نعمت کا اس کی تعظیم کے ساتھ اعتراف کرے اور نفس کو اس کا خوگر بنائے۔ یہاں ایک باریکی ہے' وہ یہ کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے طرح طرح کے فضل وکرم واحسان کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے شکر میں مشغول ہوتا ہے۔ اس سے نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں اور بندے کے دل میں محبت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہ مقام بہت برتر ہے اور اس سے اعلیٰ مقام یہ ہے کہ منعم کی محبت یہاں تک غالب ہو کہ قلب کو نعمتوں کی طرف التفات باقی نہ رہے' یہ مقام صدیقوں کا ہے''۔

اس صداقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قلیل چیز بھی کثیر ہے۔وہ مالک الملک ہے اور اس کی عطا کردہ نعمتوں کی قلت و کثرت بھی اس کی حکمت وقدرت کی آئینہ دار ہے۔صوفیاء کے نزدیک باری تعالیٰ جب اپنی مشیّت سے کسی بندہ پر اپنے انعام واکرام کو روکتا ہے اس سے وہ اذیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔تو یہ صورت بھی بندے کے لئے باعثِ رحمت ہوتی ہے اور اس حال میں بھی اللہ کا شکر بجالانا واجب ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے۔

شکوہ ہے کفر اہلِ محبت کے واسطے
ہر دم رضائے دوست پہ شکرانہ چاہیے
ہر آنچہ آیدت از غیب نیک و بد منگر
ہمیں بس است کہ از سُوئے دوست می آید

اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو بذریعہ وحی فرمایا: ''ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں' جب میرا بندہ میری نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے تو دونوں اللہ کے حضور عرض کرتے ہیں اے اللہ! اس بندے کو مزید نعمتوں سے سرفراز فرما' لاریب تیری ذات شکر وحمد کے لائق ہے''۔اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں: ''اے ایوب! کیا اس انعام کی یہ قدر ومنزلت کم ہے کہ شکر کرنے والے بندوں کی قدر میرے اور میرے فرشتوں کی نظروں میں اور زیادہ ہو جاتی ہے اور میں (باری تعالیٰ اپنی شان کے مطابق) ان بندوں کے شکر کا جواب دیتا ہوں اور میرے فرشتے میرے بندوں کے لئے میرے حضور دعا کرتے ہیں اور ان بندوں سے زمین محبت کرتی ہے' اے ایوب! تو میرا شکر گزار بندہ بن جا اور میرے انعامات کا ذکر کرنے والا ہو جا''۔

امام ابو حامد محمد الغزالیؒ نے **''کیمیائے سعادت''** میں حضرت عطاؒ کی روایت سے ایک حدیث نقل کی ہے: ''میں ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر تھا' میں نے ان کی خدمت میں عرض کی کہ آپ حضورﷺ کا کوئی عجیب وغریب واقعہ بتائیے''۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا حضورﷺ کا کون سا واقعہ عجیب وغریب نہیں ہے؟ فرمایا ایک رات حضورﷺ میرے پاس تھے' دفعتاً آپؐ نے فرمایا: ''اے ابوبکر کی بیٹی! میں اللہ کی بارگاہ میں

عبادت میں مشغول ہو جانا چاہتا ہوں''۔ میں نے کہا اگر آپ کا ارادہ ایسا ہے تو تشریف لے جائیے۔تب آپؐ نے طہارت فرمائی اور نماز کی نیت باندھ کر حضورِ حق میں کھڑے ہو گئے اور رونے لگے' یہاں تک کہ آپؐ کے آنسو آپؐ کے سینے پر بہنے لگے' پھر رکوع میں جا کر روئے۔اسی طرح سجدے میں' پھر سر اٹھا کر روتے رہے یہاں تک ساری رات اسی کیفیت میں بسر ہو گئی۔صبح ہونے پر حضرت بلالؓ نماز کے لئے تشریف لے آئے۔(حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا:''جب باری تعالیٰ نے آپؐ کے تمام گناہ بخش دیئے ہیں تو پھر آپؐ کس لئے آنسو بہایا کرتے ہیں۔؟ آپؐ نے فرمایا''کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''

امام ابوالقاسم القشیریؒ نے اللہ کے ایک نبی علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے ایک دفعہ وہ ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس سے گزرے جس سے پانی بکثرت نکل رہا تھا۔یہ دیکھ کر نبی علیہ السلام بہت متعجب ہوئے' اللہ تعالیٰ نے بے جان پتھر کو قوتِ گویائی بخشی۔پتھر کہنے لگا:''میں عذابِ دوزخ کے ڈر سے رو رہا ہوں!''اللہ کے نبیؑ نے دعا کی: اے ربِّ کریم! اپنی رحمت کے صدقے اس پتھر کو دوزخ کے عذاب سے پناہ دے۔اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی خبر دی:''ہم نے اسے پناہ دے دی''یہ خوشخبری پتھر کو بتا کر وہ وہاں سے روانہ ہو گئے۔واپسی پر آئے تو دیکھا کہ پتھر سے پانی بدستور پھوٹ رہا ہے۔انہیں پھر تعجب ہوا' اللہ تعالیٰ نے پتھر کو پھر بولنے کی توفیق بخشی۔انہوں نے پوچھا: اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے معاف کر دیا ہے' تو پھر کیوں رو رہا ہے؟ پتھر نے جواب دیا''وہ رونا غم اور خوف کا تھا اور یہ رونا شکر اور خوشی کا ہے۔''حضرت داؤد علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے عرض کیا''اے میرے مالک! میں تیرا شکر کیسے ادا کروں جب کہ میرا شکر ادا کرنا بھی تیری عنایت

سے ہے؟''اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی''اب تو نے میرا شکر ادا کر دیا ہے''۔قلت

مرا جذبہء تشکر ہے تری عنایتوں سے
کہاں یہ کنود انسان کہاں تیرا جودِ پیہم

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ خانہ کعبہ کے رکن سے بغل گیر ہو کر یوں عرض کناں تھے:''اے اللہ! تو نے مجھ پر انعام کیا' میں شکر کا حق ادا نہ کر سکا' تو نے مجھے آزمائش میں ڈالا میں صبر کا حق ادا نہ کر سکا' اس کے باوجود تیری عنایات کی بارش اسی طرح برستی رہی''! حضرت جنیدؒ بغدادی فرماتے ہیں:''شکر یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو احسان کا اہل ہی نہ سمجھے''۔حضرت رویمؒ کے نزدیک شکر کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو سر تا پا اپنے مالکِ حقیقی کی اطاعت میں لگا دے۔حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں:''احسان کرنے والے کو نگاہ میں رکھنا شکر ہے نہ کہ احسان کو نگاہوں میں رکھنا!''۔

حضرت قبلہ بابو جیؒ نے ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران ریڈیو پاکستان راولپنڈی سے تمام اہل پاکستان کو بالعموم اور اپنے متعلقین کو بالخصوص خطاب کرتے ہوئے شکر کے متعلق فرمایا۔''ہمیں ہمہ وقت اس ربِ اکبر کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔حقیقی شکر تو یہ ہے کہ ہم ہمیشہ کے لئے عہد کریں کہ اس کے اوامر کا احترام اور نواہی سے اجتناب کریں''۔

شکر کر اس کی تُو نعمتوں کا ادا
کہ توفیق بھی شکر کی دے خدا

منزلِ حق

روزِ ازل ہی سے انسان کے لئے ''وصالِ کبریا'' اس کی منزل قرار دی گئی ہے اور انسان اس منزل کا راہی قرار دیا گیا ہے۔ جب حسنِ نیّت و اخلاصِ عمل کا جذبہ دل میں کارفرما ہو، صبر و ہمت ہم رکاب ہو، نصرتِ خداوندی شاملِ حال ہو، توفیقِ ایزدی یاور و دستگیر ہو تو اس منزل کی جانب انسان کا قدم پوری توانائی اور استقامت کے ساتھ اٹھتا ہے۔ ہر قدم اسے شادمانی سے سرشار کرتا ہے اور ہر موڑ پر کامرانی اُس کا استقبال کرتی ہے۔ پھر جذبے میں راستی اور استقلال کا عنصر موجود ہو تو ہر لحظہ اس کے گوشِ حق نیوش میں کامرانی کی ایک نئی نوید گونجتی ہے، راہِ منزل کے وسائل و اسباب اور ذرائع خود بخود اس کی معاونت و رہنمائی کے لئے بے تاب نظر آتے ہیں۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہیں

حصولِ مقصد کی خاطر غیر متزلزل یقین کے ساتھ جو بھی جانبِ منزل رواں ہوا، رحمتِ حق خود اس کی رہبر بن گئی۔ جس راہی کا عزم آہن کی طرح مضبوط ہے، اس کی کوشش کی کامیابی بفضلہٖ تعالیٰ یقینی ہوگی۔ استقامت شرط ہے اور استقامت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی پر مرتے دم تک خلوص و ہمت کے ساتھ عمل پیرا رہے اور اس کے ایمان و یقین میں کسی لمحے کوئی لغزش نہ آئے۔ حق تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: **ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا و ابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون.** (حم السجدۃ ۴۱: ۳۰)

(بے شک وہ جنہوں نے کہا، ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر قائم رہے، ان پر فرشتے

اترتے ہیں، کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور خوش ہو اس جنت پر جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا)

ہماری زندگی ایک سفر ہے۔ جس میں ہر شخص اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ اس سفر کے دوران ہر قدم پر مصائب کے پہاڑوں کو عبور کرنا ہوتا ہے۔ مشکلوں اور صعوبتوں کی دشوار گزار وادیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہر موڑ پر صبر آزما رکاوٹوں اور سنگین مزاحمتوں سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ آزمائش کی گھڑیاں مسلسل امتحان بن کر آتی ہیں۔ عالمِ عنصری میں رحمتِ دو عالم حضور نبیٔ کریم ﷺ جس قدر آلام و مصائب سے ٹکرائے، اس کی تاریخ عالم میں مثال نہیں ملتی۔ آپؐ کو کبھی طائف کی وادی میں ستایا گیا اور کبھی شعبِ ابی طالب میں کئی سال تک محصور رکھا گیا۔ مشرکینِ مکہ نے آپؐ کو پریشان کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا حتیٰ کہ آپ کے نام لیواؤں کو دہکتی آگ کے انگاروں پر لٹایا گیا، ان کے جسموں پر بھاری پتھر رکھ کر گھسیٹا گیا، انہیں تڑپایا گیا، لہولہان کیا گیا مگر ان تمام اذیتوں کے باوجود رحمتِ دو عالمؐ کے لبِ مبارک پر بددعا کا حرف کبھی نہ آیا۔

آپ ﷺ کے نواسے جگر گوشۂ بتول حضرت امام حسینؓ نے یزیدیت کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا۔ اپنے خانوادہ کے افراد کی قربانیاں راہِ حق میں پیش کیں۔ ظالموں کی تلواروں کے سائے میں رب العالمین کے حضور سربسجود اپنے سر کا نذرانہ پیش کیا اور تمام کائنات کو جراٗت و استقلال کا لاجواب سبق سکھایا، جو رہتی دنیا تک تاریخ عالم کے ایک زریں باب کا منور عنوان رہے گا۔ آپ کے جدِ امجد حضرت محمد ﷺ کی امت میں بے شمار اکابر علماء، صلحاء اور اولیاء گزرے ہیں جنہوں نے انہی نقوشِ پا پر چل کر استقامت و صبر کی لازوال مثالیں قائم کیں۔ باطل کے خلاف آپؐ کے نظریۂ جہاد کو مینارِ نور کی طرح دنیا میں سربلند رکھا۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کی تعریف میں ارشاد فرماتا ہے:

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب.

(صابروں ہی کو ان کا ثواب ان گنت بھرپور دیا جائے گا)۔ **(الزمر ۳۹:۱۰)**

تفسیرِ خزائن العرفان میں ہے ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ہر نیکی کرنے والے کی نیکیوں کا وزن کیا جائے گا' سوائے صبر کرنے والوں کے' کہ انہیں بے اندازہ اور بے حساب دیا جائے گا اور یہ بھی مروی ہے کہ اصحابِ مصیبت و بلا حاضر کئے جائیں گے' نہ ان کے لئے میزان قائم کی جائے گی نہ ان کے لئے دفتر کھولے جائیں گے' ان پر اجروثواب کی بے حساب بارش ہوگی یہاں تک کہ دنیا میں عافیت کی زندگی بسر کرنے والے آرزو کریں گے کہ کاش وہ اہلِ مصیبت میں سے ہوتے اور ان کے جسم قینچیوں سے کاٹے گئے ہوتے کہ آج یہ صبر کا اجر پاتے''۔

حضرت جنید بغدادیؒ سے صبر واستقامت کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپؒ نے جواباً فرمایا:''اللہ کی خاطر تکلیف برداشت کرتے رہنا تا آنکہ مصیبت کا وقت گزر جائے''۔ صابر وہ ہے جو اللہ کی خاطر صبر کرے' گھبرائے نہیں' کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے۔ حضرت ذوالنونؒ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا''میں ایک مریض کی عیادت کے لیے گیا' باتیں کرتے کرتے اس نے یکا یک آہ بھری۔ میں نے کہا' جو اپنے محبوب کی ضرب پر صبر نہیں کرتا وہ اپنی محبت میں سچا نہیں ہے۔ ذوالنونؒ فرماتے ہیں' اس نے جواب میں کہا'' بلکہ بات یوں ہے جو محبوب کی ضرب سے لذت محسوس نہیں کرتا وہ اپنی محبت میں سچا نہیں ہے''۔ شیخ ابونصر سراجؒ فرماتے ہیں''ایک شخص حضرت شبلیؒ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور کہا:''صابر لوگوں پر کونسا صبر سخت ترین ہوتا ہے؟'' حضرت شبلیؒ نے جواب دیا' وہ صبر جو اللہ

کے بارے میں ہو؟ اس شخص نے کہا:''نہیں!''۔ حضرت شبلیؒ نے پھر کہا'' وہ صبر جو اللہ کی خاطر ہو۔'' اس نے کہا:''نہیں!'' راوی کہتا ہے کہ اس پر حضرت شبلیؒ جلال میں آ گئے اور کہا:''تو تباہ ہو پھر وہ کونسا صبر ہو سکتا ہے؟''۔ اس شخص نے جواب دیا:''وہ صبر جو اللہ سے دوری کی وجہ سے ہو' حضرت شبلیؒ نے جب یہ سنا تو ایسی چیخ ماری کہ قریب تھا ان کی جان ہی نکل جائے۔

جب حضرت زکریاؑ کے سر پر آرا رکھا گیا تو انہوں نے صرف ایک بار آہ بھری' جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی' اگر تو نے دوسری بار ایسا کیا تو میں آسمانوں اور زمینوں کو ایک دوسرے کے اوپر پلٹ دوں گا۔

حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ فرماتے ہیں:''منصور حلاجؒ ایک سال مرضِ تپ (بخار) میں مبتلا رہے تاہم اس ایک سال کے دوران حضرت موصوف نے اپنے وظائف وعبادات میں ذرّہ برابر کمی نہ کی بلکہ انہیں اور زیادہ کر دیا۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم اسلاف کی اقدار اور روایات کو پھر سے زندہ کریں۔ اپنے من کی دنیا میں اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی یاد کے چراغ دن رات روشن رکھیں اور ان کے اقوال وافعال پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔ راہِ حق میں جو بھی مصائب آئیں ان پر صابر وشاکر ہو کر اللہ کی رحمت کے سائے میں منزل کی طرف رواں دواں رہیں۔ اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کے عشق ومحبت کے نشے سے ہمہ وقت سرشار ہوں اور اسلام کی عظمتِ رفتہ کے دھندلائے ہوئے نقوش کو پھر سے تازہ کریں۔ اللہ کے حضور دل کی گہرائیوں سے اس عمل کی توفیق کی دعا کریں جو ہمارے اسلامی افکار واقدار کی دنیا میں نئی زندگی کی روح

پھونک دے۔ اسی تڑپ نے اقبالؒ کی روح کو بھی زندگی بھر بے چین رکھا۔

رگِ تاک منتظر ہے تری بارشِ کرم کی
کہ عجم کے میکدوں میں نہ رہی مئے مغانہ
مرے ہم صفیر اسے بھی اثرِ بہار سمجھے
انہیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ

حُبِ الٰہی

والذین امنوا اشد حباللہ (البقرہ:۱۶۵) "اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے شدید تر محبت کرتے ہیں" قرآنِ پاک میں محبت کا لفظ متعدد بار استعمال ہوا۔ "محبت" عربی زبان کا لفظ ہے جو دیگر کئی زبانوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ احادیثِ نبویؐ اور علمائے سلف کے اقوال کی روشنی میں "حب" کا مفہوم یہ ہوگا۔ "دل کا مٹکا یا برتن کسی کی یاد سے یوں بھر جائے کہ اس میں مزید کسی اور کی یاد سمانے کی گنجائش نہ رہے' کوشش کے باوجود بھی کسی کا خیال تک دل میں جاگزین نہ ہو سکے' دل کا ہر گوشہ محبت کے پانی سے یوں بھر جائے کہ اسے مزید کسی چیز کی حاجت نہ رہے۔ بس وہ ہر وقت اپنے محبوب کے وصال کی تڑپ میں بے چین رہے"۔ حضرت داتا گنج بخش سیّد علی ہجویریؒ کشف المحجوب میں محبت کی وضاحت یوں کرتے ہیں: "جیسا کہ بعض لوگوں کے نزدیک "محبت" مشتق ہے "حباب الماء" (پانی کا بلبلہ) سے' جو شدید بارش کے جوش میں نمودار ہوتا ہے' محبت کا نام حب کر دیا کیونکہ اس میں بھی دل کا جوش ہوتا ہے۔ دوست کے اشتیاقِ دید میں اہلِ محبت کا دل ہمیشہ بے قرار ومضطرب رہا کرتا ہے"۔

قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں: "حُب عبارت است از اشغالِ قلب المحبوب بقسمی کہ باز دارد اُورا از توجہ سوئے غیرِ اُو و چارہ نباشد اورا از توجہِ دوام سوئے او"۔ (محبت دراصل محبت کرنے والے کے دل کا محبوب کے ساتھ اس حد تک مشغول ہو جانا ہے جو محبوب کے سوا دوسروں کی طرف توجہ کرنے سے یکسر باز رکھے اور محبوب کی طرف ہمیشہ توجہ اور التفات رکھنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: "میرے

بے شمار بندے ایسے ہیں جو مجھ سے محبت کرتے ہیں' میں ان سے محبت کرتا ہوں' وہ میرے
لئے مشتاق رہتے ہیں' میں ان کا مشتاق رہتا ہوں' وہ میری ملاقات کے لئے بے قرار رہتے
ہیں' میں ان کے لئے متمنی رہتا ہوں' وہ مجھے دیکھتے رہتے ہیں' میں ان کو تکتا رہتا ہوں۔ آپؐ
کو عرض کیا گیا' ان کی پہچان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا'' ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ راتوں کو دن
پر ترجیح دیتے ہیں' اس طرح کہ جب رات کے سائے ڈھلنے شروع ہو جاتے ہیں تو وہ یہ سمجھتے
ہیں کہ ملاقات کی گھڑی آن پہنچی ہے' وہ رات کی طرف اس طرح کشاں کشاں دوڑتے
چلے جاتے ہیں جس طرح دن کے تھکے ماندے پرندے رات کو اپنے اپنے گھونسلوں کی
طرف لوٹتے ہیں۔ جب رات پُرسکون ہو جاتی ہے' وہ آرام ترک کر کے اپنے پہلوؤں کو نرم
وگداز بستروں سے دور رکھ کر میرے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ تمام شب مجھ سے
ہم کلام رہتے ہیں' اپنی نگاہ سے مجھے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں' وہ کبھی قیام کی حالت میں
مجھے پکارتے ہیں تو کبھی سجدے کی حالت میں۔ ان کی ساری رات اسی طرح بسر ہو جاتی ہے'
میں ایسے انسانوں کو ان کی عبادت کا صلہ یہ دیتا ہوں کہ میں ان کے قریب تر ہو جاتا ہوں اور
اپنے نور سے ایک نورانی شمع ان کے دل میں روشن کر دیتا ہوں۔۔۔ میری یاد ان کے دلوں
میں گھر کر لیتی ہے۔ پھر میں انہیں محبت کے صلے میں وہ مقام عطا کرتا ہوں کہ اگر آسمان
سے زمین تک عرشِ معلیٰ سے تحت الثریٰ تک ساری کائنات ایک پلڑے میں رکھ دی جائے
اور دوسرے پلڑے میں قرب کی دولت رکھ دی جائے تو دوسرا پلڑا جھک جائے گا۔ حضور علیہ
الصلوٰۃ والسلام ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: **"من احب شیئاً اکثر ذکرہ"**۔ (انسان کو
جس چیز سے محبت ہوتی ہے اس کا ذکر بڑی کثرت سے کرتا ہے)۔

محبت کی پہلی شرط یہ ہے کہ محبوب کا کثرت سے ذکر کیا جائے اور کسی لمحہ اس کی یاد

سے غافل نہ ہو۔ صحیح بخاری کتاب الاحکام میں ہے حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ
میں حضور ﷺ کے ہمراہ مسجد کے دروازہ سے باہر نکل رہا تھا کہ ایک اعرابی آپؐ سے ملا اور
عرض کی' یا رسول اللہ متی الساعۃ (یارسول اللہ! قیامت کب آئے گی) حضورؐ نے
فرمایا' ما اعددت لھا (تم نے اس کے لئے کیا جمع کیا ہے؟) وہ آدمی کچھ دیر خاموش رہا
پھر عرض کی ما اعددت لھا کبیر صیام ولا صلوٰۃ ولا صدقۃ ولکنی احب اللہ
ورسولہ' (میں نے قیامت کے لئے زیادہ روزے' نماز اور صدقہ (وغیرہ اعمالِ صالح) تو
جمع نہیں کئے لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت ضرور کرتا ہوں) حضورؐ نے ارشاد فرمایا
انت مع من احببت (تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت رکھتے ہو)۔ اللہ تعالیٰ کا
ارشادِ گرامی ہے **"والذین یبیتون لربھم سجداً وقیاما"**۔ (اور جو رات بسر کرتے ہیں
اپنے رب کے حضور' سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے) یعنی ان کی راتیں یوں بسر
ہوتی ہیں کہ جب دنیا خوابِ راحت کے مزے لوٹ رہی ہوتی ہے تو وہ جاگ کر اپنے
پروردگار کو یاد کر رہے ہوتے ہیں' اللہ کے خوف سے ان کی آنکھیں نمناک ہوتی ہیں۔ کہا
جاتا ہے کسی کافر نے صحابہء کرامؓ کے لشکر میں چند راتیں اور چند دن بسر کئے اور جا کر اپنے
بادشاہ کو بتایا: **"ھم فرسان بالنھار و رھبان باللیل"** وہ سارا دن برق رفتار گھوڑوں کی
پیٹھ پر بیٹھ کر دادِ شجاعت دیتے اور رات کے وقت درویشوں کی طرح ذکرِ الٰہی میں مشغول
رہتے ہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا: **''تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم
خوفاً وطمعا'** '' ان کے پہلو (شب کے راحت کدوں میں بھی) بچھونوں سے الگ
رہتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید کی ملی جلی کیفیت سے پکارتے ہیں''۔ یعنی وہ
اللہ کے نیک بندے اس کی بارگاہِ اقدس میں جبین نیاز جھکاتے ہیں' کبھی دعا کے لئے دامن

پھیلا دیتے ہیں اور رحیم وکریم پروردگار سے اس کے فضل وکرم کی بھیک مانگتے ہیں' ان کے
دعا کرنے اور مانگنے کا انداز نرالا ہے۔ ساری رات اس کے ذکر میں گزر جاتی ہے لیکن پھر
بھی اپنی کوتاہیوں کا احساس ان کو بے چین کئے رکھتا ہے۔ اس کی بے نیازی کا تصور کر کے
دل کانپ رہا ہوتا ہے لیکن اس کے باوصف وہ مایوس نہیں۔ حق تعالیٰ کے لطف وعنایت پر
نظریں جمائے اپنا دامن پھیلائے رہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں ان کا رب بڑا رحیم وکریم ہے'
جو شخص اس کے حضور دستِ سوال پھیلاتا ہے۔ اس کی شانِ کریمی اسے خالی واپس نہیں
کرتی۔ خوف و رجا کی اس کیفیت میں وہ شب و روز بسر کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام اتنی طویل نمازیں ادا فرماتے اور ان میں اتنے طویل سجدے ادا کرتے کہ حضرت
عائشہؓ فرماتی ہیں' گمان گزرتا تھا کہ آپؐ کے جسمِ اطہر سے روح مبارک پرواز کر گئی ہے۔

جگر گوشۂ رسولؐ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی نسبت سیرت نگاروں نے لکھا ہے
کہ ''سردیوں کی طویل راتوں میں جب آپؓ مصلّے پر عبادت کے لئے کھڑی ہوتیں تو ایک
ہی سجدے میں تمام رات بیت جاتی' اذان سن کر سر مبارک اٹھاتیں اور ایک سرد آہ بھر کر
فرماتیں: اے میرے مالک! تو نے کتنی چھوٹی راتیں بنائی ہیں کہ دل کی رضا سے ایک سجدہ
بھی نہیں ہوتا!''۔ یعنی محبت کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے مالک ومحبوب کو کثرت سے یاد
کریں اور اس محویت سے یاد کریں گویا وہ ہمارے ساتھ اور ہم اس کے ساتھ ہیں۔ مولانا
رومؒ کہتے ہیں:۔

غرق عشقے شو کہ غرق است اندریں
عشقہائے اولین و آخریں

خوفِ خدا

ولمن خاف مقام ربه جنتٰن (اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے
اس کے لئے دو جنتیں ہیں) اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ وہ اپنے بندوں کے ان گنت گناہوں'
خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر فرما کر ہمیشہ ان پر لطف وکرم فرماتا ہے اور پیہم عنایات اور
انعامات سے نوازتا رہتا ہے تاہم وہ مالک ذوالجلال ساری کائنات سے بے نیاز بھی ہے وہ
اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے مصائب وآلام میں مبتلا کرے اور بغاوت ونافرمانی پر جسے
جو اور جتنی چاہے سزا دے' اس کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور اپنے بندوں پر لطف وکرم کرنے میں کبھی دریغ نہیں
کرتا۔ تاہم خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو عجز وانکسار اور خلوص ونیاز کے ساتھ اس کے حضور
اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اپنے مالک کے فضل سے عفو ودرگزر کے طلب گار
ہوتے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **الایمان بین الخوف والرجاء**۔ (ایمان'
امید اور خوف کی درمیانی کیفیت کا نام ہے)۔ علماء فرماتے ہیں کہ خوف (لفظاً) مذکر ہے اور
رجاء مونث۔ ان دونوں کی یکجائی سے ہی رحمت ومغفرت کا پھل نصیب ہو سکتا ہے۔ ایک
اور مقام پر آپؐ نے فرمایا: ''جو شخص خدا کے خوف سے گریہ کرتا ہے' دوزخ کی آگ اس کو
چھو نہیں سکتی!'' اللہ تعالیٰ سے ہر لحظہ ڈرتے رہنا اور ہر آن یہ تصور کرنا کہ وہ ذات میری شہ
رگ سے بھی زیادہ قریب ہے' ایمان کی علامت ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ سہیل تستریؒ اور
ان کی ہم خیال ایک جماعت کا قول نقل فرماتے ہیں: **التوبة ان لاتنسى ذنبك** (توبہ

یہ ہے کہ کئے ہوئے گناہ کو نہ بھول) بلکہ ان کی پکڑ پر ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو' خواہ کتنے ہی صالح کیوں نہ ہو جاؤ۔ بعض اسلاف یہاں تک کہتے ہیں کہ برے افعال پر شرمندگی اور خشیت' اعمالِ صالحہ پر مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی وانکساری سے آہ وزاری کرنا' لجاجت سے مغفرت طلب کرنا بڑا محبوب عمل ہے۔ امام مسلمؒ 'صحیح مسلم' میں روایت کرتے ہیں :**عن ابی ایوب انه قال حین حضرته الوفاة کنت کتمت عنکم شیئا سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لولا انکم تذنبون لخلق الله خلقا یذنبون یغفر لهم.** حضرت ابوایوب انصاریؓ نے وفات کے وقت فرمایا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی ایک حدیث تم سے چھپا رکھی تھی' میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایک ایسی مخلوق کو پیدا کرتا جو گناہ کرتی اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کر دیتا''۔

صاحبِ صحیح مسلم ایک اور روایت نقل کرتے ہیں: **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ والذی نفسی بیده لولم تذنبوا لذهب الله بکم ولجاء بقوم یذنبون فیستغفرون الله فیغفرلهم.** ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہء قدرت میں میری جان ہے اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو لے جاتا اور تمہارے بدلے ایک ایسی قوم لے آتا جو گناہ کرتی اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتی تو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دیتا''۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو اس خوف سے چھپایا تھا کہ لوگ اس پر اعتماد کر کے عمل کو ترک کرنے لگ جائیں گے اور ان پر مغفرت کی امید غالب آ جائے گی' اور وہ دیدہ دلیری سے گناہ کرنے لگیں گے۔ اس حدیث

سے مراد یہ نہیں کہ لوگ دانستہ گناہ کریں' پھر معافی مانگیں بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ ہر شخص ہر حال میں اپنے رب سے ڈرتا رہے۔ عابد چاہے کتنی ہی نیکیاں کیوں نہ کر لے وہ خدا کی دی ہوئی لا متناہی نعمتوں میں سے کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔ مؤرخین اور سیرت نگاروں نے اللہ کے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام واولیأ کے اللہ کے حضور عجز اور خشیت کا ذکر بڑے موثر انداز سے کیا ہے۔

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک صحابی رسولؐ ایک دن بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوا تو حضور ﷺ نماز میں مصروف تھے اور اس قدر آہ وزاری کر رہے تھے کہ آپ ﷺ کے سینہء مبارک سے ایسی آواز سنائی دے رہی تھی جیسے ہنڈیا کے اُبلتے وقت آواز آتی ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام ابھی معصوم بچے ہی تھے کہ پہاڑوں اور جنگلوں میں نکل جاتے اور یادِ الٰہی میں پھوٹ پھوٹ کر روتے' جو شخص بھی ان کو دیکھتا اس پر رقت طاری ہو جاتی۔ ایک دفعہ ایک پہاڑ پر اللہ کی بارگاہ میں زار وقطار رو رہے تھے۔ اُن کی والدہ پریشانی کی حالت میں ان کی تلاش کرتی ہوئی وہاں آ پہنچیں' دیکھا کہ آپؑ بحالتِ سجدہ رو رہے ہیں۔ والدہ کی آہٹ پا کر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنا سرِ مبارک سجدے سے اٹھایا مگر فکرِ موت اس قدر زیادہ تھا کہ وہ یہ سمجھے شاید ملک الموت روح قبض کرنے کے لئے آ گیا ہے۔ آپؑ اسی حالت میں فرمانے لگے: ''اے ملک الموت! تھوڑی دیر ٹھہر جا' میں اپنی ماں کو مل آؤں' وہ میرے لئے پریشان ہو گی' والدہ بے اختیار ہو گئیں' کہنے لگیں: بیٹا میں تیری والدہ ہوں' اللہ کے خوف میں تم اس قدر کیوں روتے ہو' ابھی تو تم معصوم بچے ہو؟ حضرت یحییٰ اپنی والدہ ماجدہ سے مخاطب ہوئے: امی جان! اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہو جائے اور مجھ کو جہنم میں ڈالنے کا فیصلہ فرما دے تو کیا آپ مجھے اس سے بچا لیں

گی؟ والدہ نے جواب دیا: ''میں کیونکر بچا سکتی ہوں؟ مجھے اپنے حال کی خبر نہیں!'' اس پر آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''امی جان! اس دن اگر خدا کے عذاب سے بچانے کی استطاعت نہیں تو آج مجھے اللہ کے خوف سے رونے دیں''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: **ان اللہ تعالیٰ یحب کل قلب حزین** (اللہ تعالیٰ ہر غمگین دل کو پسند فرماتا ہے)۔ امام مسلم بن حجاج قشیریؒ ''صحیح مسلم'' میں روایت کرتے ہیں: ''**عن ابی ھریرۃؓ عن النبی ﷺ قال اسرف رجل علی نفسه فلما حضره الموت اوصی بنیه فقال اذا انامت فاحر قونی ثم اسحقوا ثم اذروونی فی الریح و البحر فواللہ لئن قدر علی ربی یعذبنی عذاباً ماعذبه به احداً قال ففعلوا ذلک به فقال للارض ردی ماا خذت فاذا ھو قائم فقال له ماحملک علی ما صنعت فقال خشیتک یارب اوقال مخافتک فغفر له بذلک**''. حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں: نبی ءاکرم ﷺ نے فرمایا ''ایک شخص نے اپنے نفس پر زیادتی کی' جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی جب میں مر جاؤں تو مجھے آگ میں جلا دینا' پھر میری راکھ کو ہوا اور سمندر میں منتشر کر دینا کیونکہ بخدا اگر میرے رب نے گرفت کی تو وہ مجھے اتنا عذاب دے گا کہ اتنا عذاب کسی اور کو نہیں دے گا۔ آپؐ نے مزید فرمایا: اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا' اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ تو نے جو کچھ لیا ہے اس کو واپس کر! وہ شخص کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' تجھے اس وصیت پر کس چیز نے برانگیختہ کیا تھا؟ اس شخص نے کہا' اے رب تیرے خوف نے' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا''۔

اللہ کے بندے امید وخوف کی کیفیت میں رہتے ہیں اور اسی کیفیت میں ان کی

عمریں بیت جاتی ہیں۔ قرونِ اولیٰ کے ایک بزرگ حضرت شیخ عبداللہؒ اللہ کی یاد میں ہر وقت روتے رہتے تھے۔ کثرتِ گریہ اور آنسوؤں کے مسلسل بہنے سے اُن کے گالوں پر نشان پڑ گئے تھے' صبح وشام روتے روتے اکثر بے ہوش ہو کر گر پڑتے' زبان پر تلاوتِ قرآنِ پاک ہوتی' افاقہ کی حالت میں فرماتے: قیامت کے دن ایک طبقہ جہنم میں دوسرا جنت میں جائے گا' نہ جانے میرا انجام کس طبقہ کے ساتھ ہوگا؟

سیرت نگار امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''حضرت نعمان بن ثابت امام ابوحنیفہؒ چالیس سال تک متواتر صبح کی نماز عشاء کے وضو سے ادا فرماتے رہے۔ پوری رات خشیتِ الٰہی میں روتے رہتے۔ عذابِ الٰہی کے متعلق کوئی آیت سن لیتے تو بے ہوش ہو کر گر پڑتے اور کبھی اپنی داڑھی پکڑ کر ایک مجرم کی طرح بارگاہِ الٰہی میں معافی مانگتے۔ جب ان کے آنسوؤں کی جھڑی ذرا تھمتی تو کہتے: ''اگر قیامت کے دن ابوحنیفہؒ کو معاف کر دیا گیا اور رہا کر دیا گیا تو یہ بڑی تعجب کی بات ہوگی''۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو جب منصبِ خلافت سونپا گیا تو انہوں نے مسلسل غم کو اپنا لیا۔ اُن کے بارے میں حضرت امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں: مجھے شام سے تعلق رکھنے والے ایک شخص (استاذ) نے یہ بات بیان کی کہ جب عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ بنائے گئے تو دو مہینے تک اس غم وفکر میں پڑے رہے کہ انہیں تمام لوگوں کے امور کی آزمائش میں ڈالا گیا۔۔۔ انہیں اپنے ذاتی معاملات سے کہیں زیادہ لوگوں کی فکر تھی۔ وہ اسی غم وفکر سے خلافت کے فرائض سر انجام دیتے رہے' یہاں تک کہ داعیءاجل کو لبیک کہا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو فقہاء کی ایک جماعت ان کی اہلیہ محترمہ (حضرت فاطمہؒ) کے پاس تعزیت کے لئے آئی۔ انہوں نے کہا حضرت عمر بن العزیزؒ کی موت صرف اہلِ خانہ کے لئے نہیں' تمام

اہلِ اسلام کے لئے بہت بڑا سانحہ اور نقصانِ عظیم ہے۔ کسی آدمی کے حالات کو اس کی بیوی سے بڑھ کر کون جاننے والا ہو سکتا ہے۔ اس لئے ان فقہاء نے آپؒ کی بیوی سے دریافت کیا' آپ ہمیں ان کے حالات سے مطلع فرمائیں۔ انہوں نے بیان کیا' بخدا! وہ تم میں سے کسی سے بھی زیادہ نمازیں پڑھنے والے اور روزے رکھنے والے نہ تھے لیکن اللہ کی قسم! میں نے کسی بندۂ خدا کو عمر بن عبدالعزیزؒ سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا نہیں دیکھا' انہوں نے اپنی ذات کو لوگوں کے لئے فارغ اور وقف کر رکھا تھا' وہ دن بھر لوگوں کی حاجات کے لئے بیٹھے رہتے' اگر دن گزر جاتا اور ابھی لوگوں کے کام باقی رہ جاتے تو وہ رات بھر لگے رہتے۔ ایک دن یوں ہوا کہ لوگوں کی حاجات سے دن ہی دن میں فارغ ہو گئے تو شام کو ایک چراغ منگوایا جسے وہ اپنے ذاتی تیل سے جلایا کرتے تھے' پھر انہوں نے دو رکعت نماز ادا کی اور اپنا ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اس حال میں بیٹھے رہے کہ آنسوؤں کی لڑیاں رخساروں پر بہتی رہیں اور ساری رات یوں ہی بیٹھے روتے رہے' حتیٰ کہ سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔ تب انہوں نے روزے کی نیت کر لی' میں نے ان سے پوچھا ''امیر المومنین! رات کس وجہ سے آپ یوں بیٹھے روتے رہے''۔ انہوں نے کہا: میرا حال یہ ہے کہ میں اسود و احمر تمام امتِ مسلمہ کا والی بنایا گیا ہوں' مجھے ملک کے دور دراز علاقوں میں پڑے ہوئے غرباء' مساکین' فقراء' محتاج قیدیوں اور ان جیسے مظلوم و مقہور لوگوں کی یاد آئی تو مجھے خوف ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قیامت کے دن ان کے بارے میں ضرور پرسش ہوگی اور نبیء کریم ﷺ ان کے معاملے میں مجھ سے حجت طلب فرمائیں گے تو میں حضورؐ کے سامنے کوئی حجت پیش نہ کر سکوں گا' اسی فکر میں روتا رہتا ہوں۔

حضرت بابا فرید الدین گنجِ شکرؒ **''اسرار الاولیاء''** میں ایک متقی اور مقرب بارگاہِ

الٰہی نوجوان کے متعلق فرماتے ہیں: وہ ساری زندگی اللہ کی یاد اور اس کے خوف سے روتا رہا' خوفِ خدا سے اس قدر ناتواں ہو گیا کہ اس کی یہ حالت دیکھنے کے قابل بھی نہ رہی۔ جب وہ نوجوان رات کو اپنے حجرے میں جاتا تو ساری رات اپنے گلے میں چھت سے لٹکی ہوئی رسی کا پھندا ڈال کر محوِ عبادت رہتا۔ سجدے میں جاتا تو گڑگڑا کر کہتا: باری تعالیٰ! مجھے معاف کر دینا' کیونکہ میرے گناہ اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر تو نے ان کا حساب لے لیا تو میں تیری مخلوق کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ بالآخر جب اس کا سفرِ زندگی اختتام کو پہنچا تو اپنی والدہ سے کہنے لگا: ''امی جان میرا وقتِ نزع قریب آ گیا ہے' اب آپ سے جدائی کا وقت آ پہنچا ہے' میں آپ سے تین درخواستیں کرتا ہوں۔ وعدہ کریں آپ انہیں پورا کریں گی''۔ والدہ نے فرمایا: ''کہو'' اس نے کہا: پہلی درخواست یہ ہے جب میں مر جاؤں تو میرے گلے میں رسی ڈال کر مجھے گھر کے چاروں طرف پھرانا' پھر زمین پر گھسیٹتے ہوئے کہنا ''یہ وہ شخص ہے جو اللہ کی بندگی سے بھاگتا رہا' لوگو! دیکھ لو ایسے نافرمان باغیوں کا حشر اسی طرح ہوتا ہے۔'' امی جان! دوسری درخواست یہ ہے کہ میرا جنازہ رات کے وقت اٹھانا تاکہ میرے گناہوں پر پردہ رہے اور دیکھنے والے میرے گناہوں کی وجہ سے یہ نہ کہیں کہ اب دیکھتے ہیں اس کا حشر کیا ہوتا ہے۔ تیسری درخواست یہ ہے کہ جب لوگ مجھے دفنا کر واپس آ جائیں تو آپ اللہ کے لئے میری قبر پر کچھ دیر کے لئے ٹھہری رہنا تاکہ منکر نکیر آ کر مجھے عذاب دینا چاہیں تو شاید آپ کے قدموں کی برکت سے فرشتے درگزر فرمائیں یا میرے عذاب میں کچھ تخفیف ہو جائے۔ چنانچہ جب اس نوجوان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی تو ماں نے وعدے کو پورا کرنے کی خاطر اپنے بیٹے کے گلے میں رسی ڈالنا چاہی' اس سے پہلے کہ وہ اس کے گلے میں رسی ڈالتی' عالمِ غیب سے آواز آئی: ''اے اللہ کی نیک

بندی! اپنے ہاتھ روک لے، خبردار! تمہیں معلوم نہیں یہ ہمارے دوستوں اور عاشقوں میں سے ہے اور اللہ اپنے دوستوں سے ایسا برتاؤ دیکھ نہیں سکتا۔ تجھے کیا معلوم کہ اس جوان کی روح کو کتنی رفعتیں عطا کردی گئی ہیں''

اللہ کے نیک بندے زندگی بھر ساری ساری رات عبادت کرنے کے باوجود اللہ کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بقول مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ:

اے خدائے پاک و بے انباز یار
دست گیر و جرم مارا در گزار

(اے پاک پروردگار وحدہٗ لاشریک دوست تو میری دستگیری فرما اور ہمارے جرم وخطا معاف فرما)

علم

یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا لعلم درجات

''تم میں سے جو ایمان لائے اور جنہیں علم عطا کیا گیا ہے، اللہ اُن کے درجے بلند کرے گا''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''علماء کے درجات عام مومنوں کے مراتب سے سات گنا بلند تر ہیں، ان دو گروہوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ **"فلولا نفرمن کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فی الدين و لينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون"** ''تو یوں کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جاتے تا کہ دین (کا علم سیکھتے اور اس) میں سمجھ پیدا کرتے۔ پھر جب اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر کی بات سناتے تا کہ وہ (نافرمانیوں سے) بچیں۔''

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں: **"ماعندالله بشیء افضل من فقه فی الدين فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد ولكل شیء عماد و عماد الدين الفقه وايضا العلماء ورثة الانبياء"**. اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقاہت فی الدین سے افضل کوئی چیز نہیں۔ ایک فقیہہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ غالب ہے۔ ہر چیز ایک ستون پر کھڑی ہے اور دین کا ستون فقہ ہے۔ اور یہ بھی کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

امام ترمذیؒ حضور علیہ والصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں: **''من سلک طریقا یلتمس فیه علما سلک الله به طريقا الى الجنة وان الملائكة لتضع اجنحها رضا لطالب العلم"** جو شخص حصولِ علم کے لئے کسی راستہ پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستہ پر چلاتا ہے۔ طالب علم کی خوشنودی کے لئے فرشتے اس کے

پاؤں تلے اپنے پر بچھاتے ہیں''۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے: حضورﷺ نے فرمایا: ''**فضل العالم علی العابد کفضلی علی امتی**'' (جس طرح مجھے اپنی امت پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح عالم کو عابد (جو عالم نہ ہو) پر فضیلت حاصل ہے)۔ آپﷺ کی تعلیم وتربیت کا اثر تھا کہ گنوار اور جاہل عرب دیکھتے دیکھتے اقوامِ عالم کے امام بن گئے' انہوں نے آپؐ سے علم وادب کا سلیقہ اپنایا جس کی بناء پر وہ تمام دُنیا پر فضیلت و فوقیت پا گئے۔ صحابہء کرامؓ کی زندگی کا سب سے بڑا اعزاز آپؐ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضری تھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: علم مال سے بہتر ہے کیونکہ علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تو مال کی حفاظت کرتا ہے' علم تجھ پر حکمران ہے اور مال تیرا محکوم۔ مال کے خزانے ختم ہو جاتے ہیں اور علم کے خزانوں کو بقا حاصل ہے۔

حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؓ ''**سرالاسرار**'' میں رقمطراز ہیں'' جو شخص علمِ حقیقت (علم معرفت) پر کاربند ہو جاتا ہے وہ اپنے دو دشمنوں' نفس اور شیطان سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے اور مخلص شمار ہونے لگتا ہے۔ جس طرح ربِ قدوس نے شیطان کی گفتگو نقل فرماتے ہوئے ارشاد کیا: ''**فبعزتک لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین**'' تیری عزت کی قسم! میں ضرور گمراہ کردوں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلص ہوں''۔ حضرت غوثِ اعظمؓ اپنے مشہورِ عالم ''**قصیدۂ غوثیہ**'' شریف میں فرماتے ہیں۔

درست العلم حتی صرت قطبا   و نلت السعد من مولی الموالی

میں علم پڑھتے پڑھتے قطب ہو گیا اور میں نے خداوند تعالیٰ کی مدد سے سعادت کو پالیا۔

ایک اور مقام پر حضرت غوثِ اعظمؓ فرماتے ہیں: ''اور جو اس علم (علمِ حقیقت) تک نہیں پہنچا وہ حقیقت میں عالم ہی نہیں اگر چہ اس نے ہزاروں کُتب پڑھی ہوں''۔

حضرت امام غزالیؒ ''**احیاء العلوم**'' میں لکھتے ہیں: ''اخلاص فی العمل کا مطلب یہ ہے کہ شیطان بندے کی نیتِ عمل سے آگاہ نہ ہونے پائے تاکہ اُسے بہکا نہ سکے اور نہ ہی فرشتہ اُس کے ارادے سے باخبر ہو جائے کہ اُس کے لئے ثواب لکھ سکے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ حضرت حاتم اصمؒ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا'' میں نے چار علوم حاصل کر کے باقی تمام علوم سے نجات حاصل کر لی۔ لوگوں نے پُوچھا وہ علوم کون سے ہیں؟ آپؒ نے جواب دیا' اوّل تو میں نے یہ حقیقت پالی کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر جو حق ہے اسے میرے سوا کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا' لہٰذا میں پوری توجہ سے اسے ادا کرنے میں منہمک ہوں۔ دوسرا' میں نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا کہ جو رزق میرا مقدر ہو چکا ہے میری حرص وطمع سے اس میں کوئی کمی یا بیشی نہیں ہو سکتی چنانچہ میں زیادہ رزق کی طلب سے بے فکر ہو گیا ہوں۔ تیسرا' میں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ موت سے فرار ممکن نہیں لہٰذا ہمہ وقت تیار رہتا ہوں۔ چوتھا' میرے رگ و پے میں یہ بات سما گئی ہے کہ میرا ایک آقا ہے جو ہر وقت میرے فعل وعمل کو دیکھتا رہتا ہے۔ پس میں اس سے شرماتا ہوں اور اُن کاموں سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے جس سے میرے مالک نے منع کیا ہے۔ جو شخص اس بات کو جان لیتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہر وقت حاضر و ناظر ہے وہ کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جس کی وجہ سے اسے قیامت کے دن شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے''۔

میرے جدِّ امجد حضرت سیّدنا پیر علی مہر علی شاہؒ سے کسی نے ''**العلم حجاب اکبر**'' کا مطلب پوچھا۔ آپؒ نے فرمایا: ''علم بھی ایک حجاب ہے اور قاعدہ ہے کہ ذی

حجاب ہمیشہ حجاب کے پیچھے ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اس حجابِ علمی کو اُٹھا دیا جائے جو تیرے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے درمیان حائل ہے تاکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا مشاہدہ ہو سکے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ علم وصول الی اللہ سے مانع ہوتا ہے کیونکہ علم موصل الی اللہ ہوتا ہے نہ کہ حاجب ومانع!'' اس کی تشریح میں استاذی المکرّی مفتی فیض احمد صاحب لکھتے ہیں: حضرت حافظ شیرازیؒ کا یہ شعر حضورِ اعلیٰؒ کی اس علمی بات کا مویّد اور شاہد ہے۔

تا علم و فضل بینی' بے معرفت نشینی

یک نکتہ ات بگویم خودار مبیں کہ رستی

(علم وفضل کا غرور اور گھمنڈ معرفتِ الٰہی کا حجاب ہے' غرور کو دور کر اور اپنی ہستی کو مٹا دے تاکہ واصل باللہ ہو جائے)۔ باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "**یا ایھا الذین امنو ا قوانفسکم و اھلیکم نارا**" اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں: ''ان کو ادب سکھاؤ اور علم پڑھاؤ تاکہ تم اس کے ذریعے انہیں دوزخ کی آگ سے بچا سکو''۔ نبی ﷺ سے مروی ہے کہ'' بہترین چیز جو ایک والد اپنی اولاد کو عطا سکتا ہے وہ حسنِ ادب ہے''۔ حضرت شیخ ابونصر طوسیؒ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا'' **فاحسن ادبی** '' مجھے خوب ادب سکھایا گیا'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آنجناب ﷺ کو تمام انبیاء علیھم السلام کے مقابلہ میں خاص ادب سکھایا گیا ورنہ ہر نبی کو اللہ ہی نے ادب سکھایا ہے۔ کسی نے حضرت ابنِ سیرین سے سوال کیا کہ وہ کون سا ادب ہے جو بندے کو اللہ کے قریب کر دیتا ہے۔ آپؒ نے جواب دیا ''اللہ کی ربوبیت کی معرفت اور اس کی اطاعت گزاری' خوشی میں اس کا شکر ادا کرنا اور دکھ میں صبر کرنا!۔ حضرت مولائے رومؒ فرماتے ہیں:

از خدا خواہیم توفیقِ ادب

بے ادب محروم ماند از لطفِ رب

ہم خدا سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں' بے ادب شخص خدا کی مہربانی سے محروم رہ گیا۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد

بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

بے ادب صرف خود ہی برا نہیں' اُس نے اپنی بے ادبی سے دنیا بھر میں تباہی مچا دی۔

ہر چہ آید بر تو از ظلماتِ غم

آں ز بے باکی و گستاخی ست ہم

غم کا جو اندھیرا بھی تجھ پر چھا جاتا ہے' اُس کی وجہ بے باکی اور گستاخی ہوتی ہے۔

از ادب پر نور گشتہ ایں فلک

وز ادب معصوم و پاک آمد مَلک

ادب سے یہ آسمان روشن ہو گیا' اور ادب ہی کی بدولت فرشتے معصوم و پاک ہوئے۔

ہر کہ گستاخی کُند اندر طریق

گردد اندر وادیء حیرت غریق

جو شخص راہِ حق میں گستاخی کرے وہ وادی حیرت میں غرق ہو جاتا ہے۔

ادب تین حصوں پر مشتمل ہے پہلا حصہ اشیاء اور احکام کا علم ہے۔ دوسرا حصہ اس علم کے صحیح طریقہ استعمال کا علم ہے۔ تیسرا حصہ عمل سے متعلق ہے یعنی اس علم کو صحیح طریقہ پر استعمال کرنا یہ تکمیلی حصہ ہے جسے شریعت کہتے ہیں۔ یہ ہر ایک کے لئے لازم ہے۔ اگر اس کا حق ادا کیا جائے اور اس میں کوتاہی سرزد نہ ہونے پائے تو اس کا نتیجہ وثمرہ ایک اور اعلیٰ

درجے کا علم ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم اور ادراک۔ جب اس علم میں پختگی حاصل ہوتی ہے تو اگلا مرحلہ عرفانِ الٰہی کا ہوتا ہے جسے طریقت کہا جاتا ہے۔ علم وعرفان کے یہ مراحل لامتناہی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:. **قل لو کان البحر مدادالکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثله مددا.** (آپؐ فرما دیجئے کہ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی خواہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں)

اس علم کے متعلق کہا گیا ہے۔

شکوت الیٰ وکیع سوء حفظی

فاوصانی الیٰ ترک المعاصی

فان العلم نور من اله

ونور اللہ لا یعطی لعاصی

(میں نے اپنے استاد ''وکیع'' سے اپنے خراب حافظے کی شکایت کی تو آپ نے مجھے گناہ چھوڑ دینے کی تلقین فرمائی۔ بے شک علم تو اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور گنہگار کو نہیں عطا کیا جاتا)

اس ساری تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ محض کتابی علم کی چند سطریں پڑھ لینے کی صلاحیت پیدا کر لینے سے وہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی علم وعمل کے بغیر وہ عرفان حاصل ہوتا ہے جس کی عظمتیں قرآن وحدیث میں بیان کی گئی ہیں۔

حضرت رومیؒ فرماتے ہیں:

علم را برتن زنی مارے بود   علم را بردل زنی یارے بود

(اگر تُو علم کو باطنی ترقی کے لئے استعمال کرے گا تو وہ معاون ثابت ہوگا' اگر اُسی علم کو ظاہری نمائش کے لئے استعمال میں لائے گا تو وہ دشمن ثابت ہوگا)۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے ہمیں اپنے مقبولین کے صدقے حقیقی علم وادب کی دولت سے بہرہ مند فرمائے۔

آمین بجاہِ رحمۃ للعالمین ﷺ